بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمال و حسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

خلافت راشدہ نمبر

ایڈیٹر
ابوالعطاء الجالندھری

الخـــلافة فی الاســـلام

ان الله سبحانه تعالیٰ وعد فی کتابه العزیز بان یجعل من المؤمنین الذین یعملون الصالحات خلفاء فی الارض لتمکین دینهم ، وسلسلة هذه الخلافة فی الاسلام لن تنقطع ابداً لأن الاسلام کحدیقـــة غناء تؤتی ثمرها فی کل حین باذن ربها . وان الانبیاء قبل نبینا المصطفی صلی الله علیه وسلم کانوا یبعثون الی اقوامهم خاصـــة ولکن سیدالانبیاء محمداً صلی الله علیه وسلم بعث الی الناس کافة ،وکان دینه دیناً عالمیاً خالداً فالخلفاء فی امته ولرفع لواء دینه یبعثون الی ان یرث الله الارض ومن علیها ـ قال تعالی ,, وعدالله الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین من قبلهم ولیمکنن لهم دینهم الذی ارتضی لهم ولیبدلنهم من بعد خوفهم امناً یعبدوننی لایشرکون بی شیأ ومن کفر بعد ذلک فاؤلئک هم الفاسقون ،، وهذه الایة تبشرالمؤمنین الصالحین بدوام خلافة الله فیهم و دوام نصره تعالی لهذا الدین الحنیف ـ

وقد کان الخلفاء فی الذین سبقونا ولکن بما ان الدیانات السالفة قد انتهت مدتها ونسخت شریعتها فلذلک بقیت فیهم الخلافة الی امد محدود ولکن لما کان الدین الاسلامی باقیاً الی ابدالدهر فالخلافة فی الاسلام ینبغی ان تقوم الی آخر الدهر وهؤلاء الخلفاء مهما ارتفعت مکانتهم ومهما اتسعت دائرة عملهم یکونون تابعین للشریعة الاسلامیة الغراء ولقد کان فیما غبر من القرون الخالیـــة بعد بزوغ فجر الاسلام ، تارة کانت الخلافـــة والدولـة معاً وطوراً کانت الخلافة روحیة محضة و علی کل لم تزل الخلافة باقیة فی امة خیرالوری صلی الله علیه وسلم ولن تزال باقیة ان شاء الله ـ

وقد تنازع الفرقتان العظیمتان ، السنیة والشیعة ، فی امر خلافة الخلفاء الراشدین فی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد نمبر ۷	خلافت راشدہ نمبر	معاون ایڈیٹرز
ذوالحجہ ۱۳۷۷	الفرقان۔ جولائی ۱۹۵۸ء	مسعود احمد دہلوی خورشید احمد شاد

فہرست مندرجات

ضروری اعلان

خلافت راشدہ نمبر آپ کے سامنے ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہترین مضامین شامل ہیں۔ مگر نیوز پرنٹ کی غیر معمولی دقت کے باعث ہمیں متعدد قیمتی مضامین روکنے پڑے ہیں جس کیلئے معذرت پیش ہے۔ صفحات کی کمی کے باعث اب اس نمبر کی قیمت صرف بارہ آنے ہوگی۔

ایک قابل قدر گرامی نامہ

گزشتہ نمبر میں ذکر کیا گیا تھا کہ بقایا داراصحاب کے ذمہ سے ایک کافی رقم ان کے ذمہ ہو چکی ہے اور ادارہ کو قرضخواہوں کے مطالبہ کے باعث سخت دقت ہو رہی ہے۔ اس پر متعدد احباب نے اظہار ہمدردی اور تعاون فرمایا ہے۔ صرف ایک خط مکرم قمر احمد صاحب کا درج ذیل ہے:۔

"مجھے یہ پڑھ کر بہت دکھ ہوا کہ ایک ایسے علمی اور تحقیقی رسالہ کو اور اس کے ایڈیٹر کو اتنی تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے جبکہ اسوقت ایسے رسالہ کی بہت ضرورت ہے۔ میں جناب کو ایک خریدار بھیج رہا ہوں اور خدا کے فضل سے ایک رسالہ کی جگہ دو رسالہ خود خرید کرونگا۔ جلد ہی آپ کی خدمت میں ۵ روپیہ اور بھیجونگا جس کا رسالہ آپ جہاں بہتر خیال کریں بھیج دیں۔ آپ دعا کریں کہ میں دروہ تمام جو اس رسالہ کو پڑھتے ہیں اپنا کچھ روپیہ اس نیک کام میں لگائیں اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں۔" (خاکسار قمر احمد نبی سرور د ضلع کیمبل پور)

(طابع و ناشر ابو العطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر الفرقان ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)

خلافتِ راشدہ اور اس کے امتیازات

از رشحاتِ قلم حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ

خاکسار نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ سے ۱۹۵۲ء میں استفسار کیا تھا کہ:- "اسلامی خلافتِ راشدہ کی وہ کونسی علامتیں ہیں جن سے وہ ممتاز ہوتی ہے اور اس میں اور باقی تمام اقسام اقتدار، ملوکیت وغیرہ میں کھلے طور پر فرق کیا جا سکتا ہے؟" اس سوال کا جو جواب حضور ایدہ اللہ بنصرہ نے تحریر فرمایا تھا وہ درج ذیل ہے:- (ایڈیٹر)

"اسلام میں خلافتِ راشدہ کے مجموعی امتیازات سات ہیں:-

اوّل:- انتخاب۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا یہاں امانت کا لفظ ہے لیکن ذکر چونکہ حکومت کا ہے اسلئے امانت سے مراد امانتِ حکومت ہے۔ آگے طریقِ انتخاب کو مسلمانوں پر چھوڑ دیا۔ چونکہ خلافت اُسوقت سیاسی بھی تھی مگر اسکے ساتھ مذہبی بھی۔ اسلئے دین کے قائم ہونے تک اُسوقت کے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ انتخاب صحابہ کریں کہ وہ دین اور دیندار کو بہتر سمجھتے تھے۔ ورنہ ہر زمانہ کے لئے طریقِ انتخاب الگ ہو سکتا ہے۔ اگر خلافت صحابہؓ کے بعد چلتی تو اس پر بھی غور ہو جاتا کہ صحابہؓ کے بعد انتخاب کس طرح ہوا کرے۔ بہرحال **خلافت انتخابی** ہے اور انتخاب کے طریق کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے۔

دوم:- شریعت خلیفہ پر اُوپر سے شریعت کا دباؤ ہے وہ مشورہ کو رد کر سکتا ہے مگر شریعت کو رد نہیں کر سکتا۔ گویا وہ کانسٹی ٹیوشنل ہیڈ

ہے آزاد نہیں۔

سوم۔ شوریٰ۔ اُوپر کے دباؤ کے علاوہ نیچے کا دباؤ بھی اس پر ہے یعنی اسے تمام اہم امور میں مشورہ لینا اور جہاں تک ہوسکے اس کے ماتحت چلنا ضروری ہے

چہارم۔ اندرونی دباؤ یعنی اخلاقی۔ علاوہ شریعت اور شوریٰ کے اس پر نگران اس کا وجود بھی ہے کیونکہ وہ مذہبی رہنما بھی ہے اور نمازوں کا امام بھی۔ اس وجہ سے اس کا دماغی اور شعوری دباؤ اور نگرانی بھی اسے راہِ راست پر چلانے والی ہے جو خالص سیاسی منتخب یا غیر منتخب حاکم پر نہیں ہوتا۔

پنجم۔ مساوات۔ خلیفہ اسلامی انسانی حقوق میں مساوی ہے جو دنیا میں اور کسی حاکم کو حاصل نہیں۔ وہ اپنے حقوق عدالت کے ذریعہ سے لے سکتا ہے اور اس سے بھی حقوق عدالت کے ذریعہ سے لئے جا سکتے ہیں۔

ششم۔ عصمتِ صغریٰ۔ عصمتِ صغریٰ اسے حاصل ہے یعنی اسے مذہبی مشین کا پرزہ قرار دیا گیا ہے اور وعدہ کیا گیا ہے کہ ایسی غلطیوں سے اسے بچایا جائیگا جو تباہ کن ہوں اور خاص خطرات میں اسکی پالیسی کی اللہ تعالیٰ تائید کریگا اور اسے دشمنوں پر فتح دیگا۔ گویا وہ مؤید من اللہ ہے اور دوسری قسم کا حاکم اسمیں اس کا شریک نہیں۔

ہفتم۔ وہ سیاسیات سے بالا ہوتا ہے اسلئے اس کا کسی پارٹی سے تعلق نہیں ہوسکتا۔ وہ ایک باپ کی حیثیت رکھتا ہے اس کیلئے کسی پارٹی میں شامل ہونا یا اسکی طرف مائل ہونا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ یعنی جب ایسے شخص کا انتخاب ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ کامل انصاف سے فیصلہ کرے کسی ایک طرف خواہ شخصی ہو یا قومی ہو نہ جھکے"۔

اسلام میں خلافت کا نظام

(حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کے قلم سے)

خلافت کا مضمون موٹے طور پر مندرجہ ذیل شاخوں میں تقسیم شدہ ہے۔ (۱) خلافت کی تعریف (۲) خلافت کی ضرورت (۳) خلافت کا قیام (۴) خلافت کی علامات (۵) خلافت کے اختیارات (۶) خلافت سے عزل کا سوال اور (۷) خلافت کا زمانہ۔ میں ان سب کے متعلق مختصر فقرات میں جواب دینے کی کوشش کروں گا۔ واللہ الموفق والمستعان۔

خلافت کی تعریف

سب سے اول نمبر پر خلافت کی تعریف کا سوال ہے۔ یعنی یہ کہ خلافت سے مراد کیا ہے اور نظام خلافت کس چیز کا نام ہے؟ سو جاننا چاہیئے کہ خلافت ایک عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنے کسی کے پیچھے آنے یا کسی کا قائم مقام بننے یا کسی کا نائب ہو کر اس کی نیابت کے فرائض سرانجام دینے کے ہیں۔ اور اصطلاحی طور پر خلیفہ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے اول وہ ربانی مصلح جو خدا کی طرف سے دنیا میں کسی اصلاحی کام کے لئے مامور ہو کر مبعوث کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس معنی میں تمام انبیاء علیہم السلام خلیفۃ اللہ ہیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے نائب ہونے کی حیثیت میں کام کرتے ہیں اور انہی معنوں میں قرآن شریف نے حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ کو "خلیفہ" کے نام سے یاد کیا ہے۔ دوم وہ برگزیدہ شخص جو کسی نبی یا روحانی مصلح کی وفات کے بعد اس کے کام کی تکمیل کے لئے اس کا قائم مقام اور اس کی جماعت کا امام بنتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ بنے۔

خلافت کی ضرورت

دوسرا سوال خلافت کی ضرورت کا ہے۔ یعنی نظام خلافت کی ضرورت کس غرض سے پیش آتی ہے؟ سو اس کے متعلق جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کا ہر کام حکمت و دانائی کے ماتحت ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے قانون طبعی کے ماتحت انسان کی عمر محدود ہے لیکن اصلاح کا کام لمبے زمانہ کی نگرانی اور تربیت چاہتا ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے نبوت کے بعد خلافت کا نظام مقرر فرمایا ہے تاکہ نبی کی وفات کے بعد خلفاء کے ذریعہ اس کے کام کی تکمیل ہو سکے گویا جو تخم نبی کے ذریعہ بویا جاتا ہے اسے خدا تعالےٰ خلفاء کے ذریعہ اس حد تک تکمیل کو پہنچانے کا انتظام فرماتا ہے کہ وہ ابتدائی خطرات سے محفوظ ہو کر ایک مضبوط پودے کی صورت اختیار کر لے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خلافت کا نظام دراصل نبوت کے نظام کی فرع اور اس کا تتمہ ہے۔ اسی لئے ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وسلم حدیث میں فرماتے ہیں کہ ہر نبوت کے بعد خلافت کا نظام قائم ہوتا ہے۔

خلافت کا قیام

چونکہ خلافت کا نظام نبوت کے نظام کی فرع اور اس کا

متمتہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے قیام کو نبوت کی طرح اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تاکہ خدا کے علم میں جو شخص بھی حاضر الوقت لوگوں میں سے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے سب سے زیادہ موزون ہو وہی مسندِ خلافت پر متمکن ہو سکے۔ البتہ چونکہ نبی کی بعثت کے بعد مومنوں کی ایک جماعت وجود میں آچکی ہوتی ہے اور وہ نبوت کے فیض سے تربیت یافتہ بھی ہوتی ہے اسلئے خدا تعالیٰ خلافت کے انتخاب میں مومنوں کو بھی حصہ دار بنا دیتا ہے تاکہ وہ اس کی اطاعت بجا لانے اور اس کے ساتھ تعاون کرنے میں زیادہ شرح صدر محسوس کریں۔ اس طرح خلیفہ کا انتخاب ایک عجیب و غریب مخلوط قسم کا رنگ رکھتا ہے کہ بظاہر مومن انتخاب کرتے ہیں مگر حقیقۃً خدا کی تقدیر پوری ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ مومنوں کے دلوں پر تصرف فرما کر ان کی رائے کو اہل شخص کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں ہر جگہ خلفاء کے تقرر کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور بار بار فرمایا ہے کہ خلیفہ میں بناتا ہوں۔ اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق حدیث میں فرماتے ہیں کہ میرے بعد خدا اور مومنوں کی جماعت ابوبکرؓ کے سوا کسی اور شخص کی خلافت پر راضی نہیں ہونگے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی رسالہ الوصیت میں یہی نکتہ بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ نے خود حضرت ابوبکرؓ کو کھڑا کر کے مسلمانوں کی گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیا اور حضرت ابوبکرؓ کی مثال پر خود اپنے متعلق بھی فرماتے ہیں کہ میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو خدا کی دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔ ان حوالوں سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ گو بظاہر خلافت کے تقرر میں مومنوں کی رائے کا بھی دخل ہوتا ہے لیکن حقیقۃً تقدیر خدا کی چلتی ہے۔

خلافت کی علامات

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت کی علامات کیا ہیں جن سے ایک سچے خلیفہ کو شناخت کیا جا سکے؟ سو جاننا چاہیئے کہ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے ایک خلیفہ برحق کی دو بڑی علامتیں ہیں۔ ایک علامت وہ ہے جو سورہ نور کی آیت استخلاف میں بیان کی گئی ہے یعنی لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا۔ یعنی "سچے خلفاء کے ذریعہ خدا تعالیٰ دین کی مضبوطی کا سامان پیدا کرتا ہے اور مومنوں کی خوف کی حالت کو امن سے بدل دیتا ہے۔ یہ خلفاء صرف میری ہی عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتے۔" پس جس طرح ہر درخت اپنے ظاہری پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح ہر سچا خلیفہ اپنے اس روحانی پھل سے پہچانا جاتا ہے جو اس کی ذات کے ساتھ ازل سے مقدر ہو چکا ہے۔

دوسری علامت حدیث میں بیان کی گئی ہے جو یہ ہے کہ استثنائی حالات کو چھوڑ کر ہر خلیفہ کا انتخاب مومنوں کی اتفاق رائے یا کثرت رائے سے ہونا چاہیئے۔ کیونکہ گو حقیقۃً تقدیر خدا کی چلتی ہے مگر خدا نے اپنی حکیمانہ تدبیر کے

ماتحت خلفاء کے تقرر میں بظاہر مومنوں کی رائے کا بھی دخل رکھا ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے تعلق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یدفع اللّٰہ ویابی المؤمنون یعنی نہ تو خدا کی تقدیر ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کو خلیفہ بننے دے گی اور نہ ہی مومنوں کی جماعت کسی اور کی خلافت پر راضی ہو گی پس ہر خلیفہ برحق کی یہ دُہری علامت ہے کہ (۱) وہ مومنوں کے انتخاب سے قائم ہو اور (۲) خدا تعالےٰ اپنے فضل سے اس کی نصرت اور تائید میں کھڑا ہو جائے اور اس کے ذریعہ دین کو تمکنت پہنچے۔ اس کے سوا بعض اور علامتیں بھی ہیں مگر اس جگہ اس تفصیل کی گنجائش نہیں۔

خلافت کی برکات

جیسا کہ اُوپر بتایا گیا ہے خلافت کا نظام ایک بہت ہی مبارک نظام ہے جس کے ذریعہ آفتابِ نبوّت کے ظاہری غروب کے بعد اللہ تعالےٰ ماہتابِ نبوّت کے طلوع کا انتظام فرماتا ہے اور الٰہی جماعت کو اُس دھکّے کے خطرات سے بچا لیتا ہے جو نبی کی وفات کے بعد نوزائیدہ جماعت پر ایک بھاری مصیبت کے طور پر وارد ہوتا ہے۔ نبی کا کام جیسا کہ قرآن شریف کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے تبلیغِ ہدایت کے ساتھ ساتھ [illegible] کی جماعت کی دینی تعلیم، ان کی روحانی اور اخلاقی تربیت اور ان کی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ سارے کام نبی کی وفات کے بعد خلیفۂ وقت کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جس کا وجود جماعت کو انتشار سے بچا کر انہیں ایک مضبوط لڑی میں پروئے رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں نبی کا وجود جماعت کے لئے محبت اور اخلاص کے تعلقات کا روحانی مرکز ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ اتحاد اور یکجہتی اور باہمی تعاون کا زرّیں سبق سیکھتے ہیں اور خلیفہ کا وجود اس درسِ وفا کو جاری اور تازہ رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے وجود کو جو ایک ہاتھ پر جمع ہونے کی وجہ سے خلیفہ کے وجود کے ساتھ لازم و ملزوم ہے ایک بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے اور اسے انتہائی اہمیت دی ہے اور جماعت میں انتشار پیدا کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں مَن شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔ یعنی جو شخص جماعت سے کٹتا اور اس کے اندر تفرقہ پیدا کرتا ہے وہ اپنے لئے آگ کا رستہ کھولتا ہے۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں علیکم بسُنّتی و سُنّۃ الخلفاء الرّاشدین المھدیّین۔ یعنی اے مسلمانو! تم پر تمام دینی امور میں میری سُنّت پر عمل پیرا ہونا فرض ہے اور میرے بعد میرے خلفاء کے زمانہ میں ان کی سُنّت پر عمل کرنا بھی واجب ہوگا کیونکہ وہ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہوں گے۔ پس خلافت کا نظام ایک نہایت ہی بابرکت نظام ہے جس کے ذریعہ جماعتی اتحاد اور مرکزیت کے علاوہ جس کی ہر نوزائیدہ جماعت کو بھاری ضرورت ہوتی ہے نبوّت کا نور جماعت کے سر پر جلوہ افروز رہتا ہے اور یہ ایک بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی برکت ہے۔

خلافت کے اختیارات

اگلا سوال خلافت کے اختیارات سے تعلق رکھتا ہے۔ سو اس سوال کے جواب کو سمجھنے

کے لئے بنیادی نکتہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خلافت ایک روحانی نظام ہے جس میں حکومت کا حق اُوپر سے نیچے کو آتا ہے۔ اور چونکہ خلافت کا نظام نبوّت کے نظام کی فرع ہے اور دوسری طرف شریعت ہمیشہ کے لئے مکمل ہو چکی ہے اسلئے جس طرح شریعت کے حدود کے اندر اندر نبوّت کے اختیارات وسیع ہیں۔ اسی طرح شریعت اور سُنّتِ نبوّت کی حدود کے اندر اندر خلافت کے اختیارات بھی وسیع ہیں۔ یعنی ایک خلیفہ اسلامی شریعت کی حدود کے اندر اندر اور اپنے نبی متبوع کی سُنّت کے تابع رہتے ہوئے الٰہی جماعت کے نظم و نسق میں وسیع اختیارات رکھتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے جمہوریت زدہ نوجوان اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ ایک واحد شخص کے اختیارات کو اتنی وسعت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن انہیں سوچنا چاہیئے کہ اوّل تو خلافت کسی جمہوری اور دنیوی نظام کا حصہ نہیں، بلکہ روحانی اور دینی نظام کا حصہ ہے جس کا حق خدا تعالےٰ کے ازلی حق کا حصہ بن کر اُوپر سے نیچے کو آتا ہے اور خدا کا سایہ خلفاء کے سر پر رہتا ہے۔ دوسرے جب ایک خلیفہ کے لئے شریعت کی آہنی حدود معیّن ہیں اور نبی متبوع کی سُنّت کی چاردیواری بھی موجود ہے تو ان ٹھوس قیود کے ماتحت اس کے اختیارات کی وسعت پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ نبی کے بعد خلیفہ کا وجود یقیناً ایک نعمت اور رحمت ہے اور رحمت کی وسعت بہرحال برکت کا موجب ہوتی ہے نہ کہ اعتراض کا! ہاں ہم اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ چونکہ خلیفہ کے انتخاب میں بظاہر لوگوں کی رائے کا بھی دخل ہوتا ہے اسلئے اسے تمام اہم امور میں مومنوں کے مشورہ سے کام کرنا چاہیئے۔ بے شک وہ اس بات کا پابند نہیں کہ لوگوں کے مشورہ کو ہر صورت میں قبول کرے لیکن وہ مشورہ حاصل کرنے کا پابند ضرور ہے تاکہ اس طرح ایک طرف تو جماعت میں ملّی اور دینی سیاست کی تربیت کا کام جاری رہے اور دوسری طرف عام کاموں میں مشورہ قبول کرنے سے جماعت میں زیادہ بشاشت کی کیفیت پیدا ہو لیکن خاص حالات میں وَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ کا مقام بھی قائم رہے۔ یہ ایک بہت لطیف فلسفہ ہے ولٰکن قلیلاً ما یتفکّرون۔

خلافت سے عزل کا سوال

جن لوگوں نے خلافت کے مقام کو نہیں سمجھا وہ بعض اوقات اپنی نادانی سے خلیفہ کے عزل کے سوال میں اُلجھنے لگتے ہیں۔ وہ دُنیا کے جمہوری نظاموں کی طرح خلافت کو بھی ایک دنیوی نظام خیال کر کے حسبِ ضرورت خلیفہ کے عزل کا رستہ تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک انتہا درجہ کی جہالت کا خیال ہے جو خلافت کے حقیقی مقام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے خلافت ایک روحانی نظام ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص تصرف کے ماتحت نبوّت کے تتمّہ اور تکملہ کے طور پر قائم کیا جاتا ہے اور گو اس میں مصلحتِ الٰہی سے بظاہر لوگوں کی رائے کا بھی دخل ہوتا ہے مگر حقیقۃً وہ خدا تعالےٰ کی خاص تقدیر کے ماتحت قائم ہوتا ہے اور پھر وہ ایک اعلیٰ درجہ کا الٰہی انعام بھی ہے پس اسکے متعلق کسی صورت میں عزل کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ کی خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ

"خدا تجھے ایک قمیص پہنائے گا مگر منافق لوگ اسے اُتارنا چاہیں گے لیکن تم اسے ہرگز نہ اُتارنا" اس مختصر ارشاد میں خلافت کے بابرکت قیام اور عزل کی ناپاک تحریک کا سارا فلسفہ آجاتا ہے۔ پھر نادان لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اگر باوجود اسکے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اس کے عزل کا سوال اُٹھ سکتا ہے تو پھر نعوذ باللہ ایک نبی کے عزل کا سوال کیوں نہیں اُٹھ سکتا؟ پس حق یہی ہے کہ خلفاء کے عزل کا سوال بالکل خارج از بحث ہے اور انبیاء کی طرح ان کے مزعومہ عزل کی ایک ہی صورت ہے کہ خدا انہیں موت کے ذریعہ دُنیا سے اُٹھا لے۔ خوب یاد رکھو کہ خلافت کے عزل کا سوال خلافت کے قیام کی فرع ہے نہ کہ ایک مستقل سوال۔ پس اگر یہ ایک حقیقت ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں اس نے بار بار اعلان فرمایا ہے اور جیسا کہ ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں صراحت فرمائی ہے تو عزل کا سوال کسی سچے مومن کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسلام تو اس ضبط و نظم کا مذہب ہے کہ اس نے دنیوی حکمرانوں کے متعلق بھی جو محض لوگوں کی رائے سے یا ورثہ کی صورت میں قائم ہوتے ہیں تعلیم دی ہے کہ ان کے خلاف سر اٹھانے اور انکے عزل کی کوشش کرنے کی اجازت نہیں۔ (dashed line) ... دیئے نہ ہو الّا ان ترو ا کفراً بواحاً (سوائے اسکے کہ تم ان کے رویہ میں خدائی قانون کی صریح بغاوت پاؤ) تو کیا وہ خدا کے بنائے ہوئے خلفاء اور نبی کے مقدس جانشینوں کے متعلق عزل کی اجازت دے سکتا ہے؟ ھیھات ھیھات لما توعدون!۔

خلافت کا زمانہ بالآخر اس بحث میں خلافت کے زمانہ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ سو ظاہر ہے کہ جب خلافت خدا کا ایک انعام ہے اور وہ نبوت کے کام کی تکمیل کیلئے آتی ہے تو لازماً اسکے قیام کا دو ہی شرطیں سمجھی جائینگی اوّل یہ کہ خدائے حکیم و علیم کے علم میں مومنوں کی جماعت میں اس کی اہلیت رکھنے والے لوگ موجود ہوں اور دوسرے یہ کہ نبوت کے کام کی تکمیل کیلئے اسکی ضرورت باقی ہو۔ اور چونکہ یہ دونوں باتیں خدا تعالیٰ کے مخصوص علم سے تعلق رکھتی ہیں اسلئے کسی دَور میں خلافت کے زمانہ کا علم بھی صرف خدا کو ہی ہو سکتا ہے۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نبوت کے متعلق فرماتا ہے اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ یعنی "اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس کے سپرد کرے"۔ اور چونکہ خلافت کا نظام بھی نبوت کے نظام کی فرع ہے اسلئے اس کے لئے بھی یہی قانون نافذ سمجھا جائیگا جو اس لطیف آیت میں نبوت کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اب چونکہ حَیْثُ کا لفظ جو اس آیت میں رکھا گیا ہے عربی زبان میں ظرف مکان اور ظرف زمان دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اسلئے اس آیت کے مکمل معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس بات کو بہتر جانتا ہے کہ نبوت اور اسکی اتباع میں خلافت پر کس شخص کو فائز کرے اور پھر کس عرصہ تک کیلئے اس انعام کو جاری رکھے؟ پس جب تک کسی الٰہی جماعت میں خلافت کی اہلیت رکھنے والے لوگ موجود رہیں گے اور پھر جبتک خدا کے علم میں کسی الٰہی جماعت کے لئے نبوت کے کام کی تکمیل اور اسکی تحریک کے نشوونما کی ضرورت باقی رہیگی خلافت کا سلسلہ جاری رہیگا۔ اور اگر کسی وقت ظاہری تنظیمی خلافت کا دَور ختم ہوگا تو اسکے مقابل پر اسلام کی خدمت کیلئے روحانی خلافت کا دَور اُبھر آئیگا اور اسطرح انشاء اللہ اسلام کے باغ پر کبھی دائمی خزاں کا غلبہ نہیں ہوگا۔ وذٰلک تقدیر العزیز الحکیم ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العظیم ؁

خاکسار

راقم۔ مرزا بشیر احمد۔ ربوہ

برکاتِ خلافت

(از جناب پروفیسر عبد السلام صاحب اختر ایم۔ اے)

یہ نکتہ کیا نہیں ہے آدمی کے غور کے قابل؟
کہ پتہ شاخ سے گرتا ہے جب — مرجھا ہی جاتا ہے!

رواں ہے بلبلے کی ناؤ بھی دریا کی موجوں پر
ذرا اُبھرے تو ہیئت میں تغیر آ ہی جاتا ہے!

سبق دیتی ہے تاریخِ خلافت اہلِ عالم کو
کہ اہلِ حق کے قدموں میں زمانہ آ ہی جاتا ہے!

ہزاروں ہوں گھنے تاریک بادل چھٹ ہی جاتے ہیں
کہ جب سورج نکلتا ہے تو آخر چھا ہی جاتا ہے!

اخوت ایک نعمت ہے۔ وگرنہ سلسلہ غم کا
اگر ہو مستقل تو آدمی گھبرا ہی جاتا ہے!

عجب شے ہے جہاں میں جذبۂ شوقِ محبت بھی
جو اُس کو ڈھونڈنے آتا ہے آخر پا ہی جاتا ہے!

جو سچ پوچھو تو شمعِ دل۔ خلافت سے ہے نورانی
یہی ہے رمزِ قرآنی۔ یہی رازِ جہانبانی

مقام خلافت

آیتِ استخلاف کی تفسیر!

شیعہ وسُنّی تنازعہ کے حل کے لئے آسمانی کلید!!

(ابو العطاء)

ترجمہ آیت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مخلص مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں خلافت عطا فرمائے گا۔ یہ وعدہ سورۂ نور میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَي الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْــــًٔـا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (آیت ۵۴-۵۶)

ترجمہ: اے رسول! تو کہدے کہ لوگو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم پیٹھ پھیر لوگے تو رسول پر اپنی ذمہ داری ہے اور تم اپنے فرائض کے لئے جوابدہ ہو۔ اگر تم رسول کی اطاعت کروگے تو ہدایت یافتہ بن جاؤگے۔ رسول کے ذمہ صرف یہی ہے کہ احکام خداوندی کو کھول کر پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کئے وعدہ فرماتا ہے کہ وہ ان کو یقیناً اس زمین میں خلیفے بنائے گا جیسا اس نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ ان مومنوں کے لئے پسند کردہ دین کو تمکنت بخشیگا اور ان کے خوف کے بعد انہیں امن عطا فرمائے گا۔ وہ صرف میری (اللہ کی) عبادت کرینگے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اسکے بعد بھی جو کفر کریں گے وہ بڑے فاسق ہوں گے۔ اے مومنو! تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور اس رسول کی اطاعت کرو تا تم پر رحم کیا جائے۔"

اِن تینوں آیات میں جو باہم مربوط ہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے۔ آیت استخلاف سے پہلے بھی اور اسکے بعد بھی اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کا ارشاد دُہرایا گیا ہے۔ اِس سے

بالبداہت ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ خلافت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آپؐ کی اطاعت کی شرط سے مشروط طور پر قائم کیا جانے والا ہے اور یہ ایک دائمی سلسلہ ہے۔

شانِ نزول آیت استخلاف کے شانِ نزول کے بارے میں لکھا ہے:۔

(الف) "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ مکثوا بمکۃ عشر سنین خائفین ولما ھاجروا کانوا بالمدینۃ یصبحون بالسلاح فنزلت۔"

(مدارک التنزیل نسفی)

(ب) "لما قدم رسول اللہ واصحابہ بالمدینۃ وآوتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا لا یبیتون الا مع السلاح ولا یصبحون الا فیہ فقالوا ترون انا نعیش حتی نبیت آمنین مطمئنین لا نخاف الا اللہ فنزلت ھذہ الآیۃ۔"

(مجمع البیان تفسیر شیعہ)

گویا ہر دو سنی اور شیعہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کے صحابہؓ کو مدینہ میں بھی دشمنوں نے امن سے نہ رہنے دیا اور صحابہؓ مدینہ میں دن رات ہتھیار بند رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان سے وعدہ کیا کہ تم پر امن کے دن آئیں گے بلکہ ہم تمہیں اقتدار، حکومت اور خلافت عطا کریں گے۔

اِس شانِ نزول کے مطابق تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرما دیا۔ شیعہ مفسر لکھتے ہیں:۔

"قال مقاتل قد فعل اللہ ذلک بھم وبمن کان بعدھم من ھذہ الامۃ مکن لھم فی الارض وابدلھم امنا من بعد خوف وبسط لھم فی الارض فقد انجز موعدہ لھم۔"

(مجمع البیان زیر آیت استخلاف)

کہ "اللہ تعالیٰ نے صحابہ اور تابعین کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کر دیا کہ ان نے زمین میں طاقت بخشی، انکے خوف کو امن سے بدل دیا اور زمین میں وسعت عطا فرمائی سو انکا وعدہ پورا ہو گیا۔"

اندریں صورت یہ آیت خلفاء راشدین کی صداقت پر زبردست دلیل ہے۔ اسی لئے امام ابو البرکات لکھتے ہیں:۔

"والآیۃ اوضح دلیل علی صحۃ خلافۃ الخلفاء الراشدین رضی اللہ عنھم لان المستخلفین الذین آمنوا وعملوا الصالحات ھم ھم۔" (تفسیر نسفی زیر آیت مذکورہ)

کہ "یہ آیت خلفاء راشدین کی خلافت کے برحق ہونے پر واضح ترین دلیل ہے کیونکہ آیت کے رُو سے جن صالح اور ایماندار لوگوں کو خلیفہ بنایا گیا وہ وہی تھے۔"

آیت استخلاف اور امام مہدیؑ شیعہ روایات میں یہ بھی لکھا ہے کہ آیت استخلاف امام مہدی کے حق میں نازل ہوئی ہے:

"نزلت فی المھدی"

(بحار الانوار جلد ۱۳ صہ ۱۳)

شیعہ تفسیر مجمع البیان میں لکھا ہے:

"واختلف فی الآیۃ فقیل انھا واردۃ فی اصحاب النبیؐ وقیل

هی عامة فی امة محمد عن ابن عباس و مجاهد والمروی عن اهل البیت انها فی المهدی من آل محمد "

(مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۱۹۶)

کہ "بعض لوگوں نے اس آیت کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے متعلق قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد کی روایت ہے کہ یہ آیت ساری امت کے حق میں ہے۔ اہل بیت سے مروی ہے کہ یہ آیت آلِ محمدؐ کے امام مہدی کے حق میں ہے۔"

شیعہ صاحبان نے اپنی اس تفسیر کی بنیاد اس نظریہ پر رکھی ہے کہ:۔

"ان التمکین فی الارض علی الاطلاق لم یتفق فیما مضی فهو منتظر لان الله عز اسمه لا یخلف وعده" (مجمع البیان)

"چونکہ دین اسلام کو ساری زمین میں مطلق طور پر زمانہ ماضی میں غلبہ حاصل نہیں ہوا اسلئے ہم اس کے منتظر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔"

مصداق آیت کی تعیین

شانِ نزول سے آیت کا مجموعی مفہوم محدود نہیں ہو جاتا بلکہ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے تحقیق فرمائی ہے شانِ نزول کا صرف اتنا مطلب ہوتا ہے کہ اس موقع پر بھی آیت چسپاں ہوتی ہے (الفوز الکبیر) پس آیتِ استخلاف کا وعدہ کسی ایک فرد یا جماعت میں محدود نہیں مانا جائے گا۔ بلکہ نزولِ آیت سے لے کر تا قیامت جن پاک وجودوں پر اس آیت کا انطباق ہوگا اور اس آیت میں بیان شدہ علامات جن پر صادق آئیں گی وہ سب اس کے مصداق ہونگے۔ اور ظاہر ہے کہ خلفاء راشدین اس آیت کے اوّلین مصداق ہیں کیونکہ آیت میں مذکورہ علامات سب سے پہلے ان کے عہدِ خلافت میں متحقق ہوئی ہیں۔ پھر بلاشبہ یہ بھی درست ہے کہ جب خلافت محمدیہ کا دامن قیامت تک وسیع ہے تو امام مہدی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خلیفہ ہی ہوگا۔ پس شیعہ صاحبان کا محض امام مہدی کے انتظار میں خلافتِ خلفاء راشدین (جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں) کو آیتِ استخلاف سے باہر قرار دینا ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔

خلافت کا مفہوم

خلافت کے لغوی معنے نیابت اور جانشینی کے ہیں اصطلاحاً نبی کے قائم مقام کو خلیفہ کہتے ہیں:۔

(۱) امام ابن اثیر لکھتے ہیں:۔

"الخلیفة من یقوم مقام الذاهب ویسد مسده" (النهایہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۵)

(۲) علامہ ابن خلدون کا قول ہے:۔

"ومقصود الشارع بالناس صلاح آخرتهم فوجب بمقتضی الشرائع حمل الکافة علی الاحکام الشرعیة فی احوال دنیاهم وآخرتهم وکان هذا الحکم لاهل الشریعة وهم الانبیاء ومن قام فیه مقامهم وهم الخلفاء فقد تبین من ذلک

معنی الخلافۃ" (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۵۹)

(۳) امام البیضاوی لکھتے ہیں :-

"والخلیفۃ من یخلف غیرہٗ و

ینوب منابہ والھاء فیہ للمبالغۃ"

(تفسیر بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۵۹)

پس خلافت نبی کی قائم مقامی کا نام ہے یہی وہ موعودہ خلافت ہے جس کا آیتِ استخلاف میں اللہ تعالےٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ اور یہی خلافت شیعوں اور سنّیوں میں محلِّ نزاع ہے۔

کیا خلافت کے ساتھ حکومت لازمی ہے؟

نبی بنی نوعِ انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے مبعوث ہوتا ہے۔ مادی حکومت قائم کرنا اس کا نصب العین نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے انبیاء کو اپنی زندگی میں حکومت حاصل نہیں ہوتی۔ پس جب نبوت کے ساتھ حکومت کا ہونا لازمی نہیں تو خلافت کے ساتھ حکومت کو کیونکر لازمی قرار دیا جا سکتا ہے؟ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں :-

"انّ الخلافۃ قد وجدت

بدون الملک اوّلاً ثمّ التبست

معانیھما واختلطت ثمّ انفرد

الملک۔" (مقدمہ صفحہ ۱۷۴)

کہ "پہلے کئی مرتبہ خلافت بادشاہی کے بغیر

وقوع پذیر ہوئی اور کئی مرتبہ حکومت اور

خلافت یکجا پائی گئیں اور پھر بادشاہت

منفرد طور پر پائی گئی۔"

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی نبوت اور خلافت کی تشریح میں نہایت لطیف رنگ میں رقمطراز ہیں کہ :-

"نبوت آنست کہ ارادۂ الٰہی متعلق شود بصلاحِ عالم وکبتِ مفسدین وکفار وترویجِ شریعت درضمن افعال و اقوال پیغامبر۔ وخلافت آنست کہ متعلق شود ارادۂ الٰہیہ بتکمیلِ افعال پیغامبر وضبطِ اقوال و اشاعتِ نورِ او وغلبۂ دینِ او درضمن قیام شخصے از اُمّت بخلافتِ پیغامبر وادعیۂ اعلائے دینِ پیغامبر درخاطرِ شخصے ریزند و ازاینجا منعکس شود بسائرِ اُمّت و ایں عزیز درقوّت عاقلہ وقوّتِ عاملہ نسبتے دارد بانفسِ پیغامبر۔ پس محدّث باشد وفراستِ او موافق وحی افتد وانواع کرامات و مقامات کہ بآں کمالِ نفسِ او باعتبارِ قوّتِ عاملہ شناختہ شود درایں عزیز موجود باشد۔ لابدّ صورتِ خلیفہ باید کہ موافق باشد باصورتِ پیغامبر۔ اگر پیغامبر بادشاہ است خلیفہ لامحالہ بادشاہ خواہد بود اگر حبر است و زاہد لابدّ خلیفہ بہماں صفت خواہد بود ..... پیغامبراں گاہے بصورتِ بادشاہاں بروز میکنند مانند حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام وگاہے بصورت احبار مانند حضرت زکریا علیہ السلام وگاہے بصورتِ زہّاد مانند حضرت یونس وحضرت یحییٰ علیہما السلام۔"

(ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۵۹، ۲۶۰)

یعنی "نبوت کے ذریعہ ارادۂ الٰہیہ

ہوتا ہے کہ دُنیا کی اصلاح کی جائے اور مفسدین و کفار کو شر سے باز رکھا جائے اور پیغمبر کے قول اور فعل کے ذریعہ شریعت کو جاری کیا جائے۔ خلافت کے ذریعہ ارادۂ الٰہیہ یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر کی امت میں سے ایک شخص کو خلیفہ بنا کر اس کے ذریعہ پیغامبر کے کارناموں کی تکمیل کی جائے۔ اس کے اقوال کو محفوظ کیا جائے۔ پیغمبر کے نور کی اشاعت کی جائے اور اس کے لائے ہوئے دین کے غالب کرنے کا کامل جذبہ اسکے دل میں پیدا کیا جائے۔ ایسا خلیفہ اپنی قوتِ عاقلہ و قوتِ عاملہ میں پیغمبر کی ذات سے ایسا لگاؤ رکھتا ہے کہ وہ ملہم ہوجاتا ہے اور اسکی فراست وحیٔ ربانی سے موافقت رکھتی ہے اور اس کے کمالِ نفس پر مختلف کرامات اور روحانی برکات دلالت کرتی ہیں۔ نہایت ضروری ہے کہ خلیفہ اپنی معنوی صورت میں نبی کے مطابق ہو یعنی اگر نبی بادشاہ ہے تو اس کا خلیفہ بھی بادشاہ ہو۔ اگر نبی ظاہری حکومت کے بغیر درویشی اور زہد کے لباس میں ظاہر ہوا ہو تو خلیفہ بھی اسی رنگ پر ہوگا...... کبھی رسول بطور بادشاہ ظاہر ہوئے ہیں جیسے حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ تھے اور بعض رسول محض ربانی علم سے مزین تھے جیسے حضرت ذکریاؑ اور بعض رسول زاہدوں کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے جیسے حضرت یونسؑ اور حضرت یحییٰؑ تھے۔"

اِن حوالہ جات سے ثابت ہے کہ از رُوئے واقعات اور از روئے مسلمات ائمہ ہر خلیفہ کے لئے بادشاہ ہونا ضروری نہیں۔ اور دراصل خلافت کی حقیقت روحانی اور معنوی طور پر اپنے نبی متبوع سے مشابہت پیدا کرنا ہے۔ خلافت تو کجا نبوت کے لئے بھی بادشاہت لازمی نہیں۔ بہت سے نبی صرف مُنذر اور ناہی بھی گزرے ہیں۔ ایسے انبیاء کے بعد بھی سلسلۂ خلافت جاری رہا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرمایا ہے ما کانت نبوۃ قط الا تبعتھا خلافۃ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹) کہ ہر نبوت کے بعد خلافت ہوتی رہی ہے۔

آیت کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کی تشریح!

اللہ تعالیٰ نے آیت استخلاف میں یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اُمتِ مسلمہ میں خلافت کو جاری کریگا اور اُن میں خلیفے بنائے گا جیسے اس نے اُن سے پہلے لوگوں میں خلفاء بنائے۔ آیت کے حصہ کما استخلف الذین من قبلھم میں عمومیت پائی جاتی ہے مسلمانوں سے پہلی اُمتوں میں جماعتی استخلاف کے علاوہ فردی استخلاف بھی ہوتا تھا۔ آیت سے ظاہر ہے کہ مسلمان بحیثیت جماعت بھی سابق اُمتوں کے خلیفے ہیں اور مسلمانوں میں ایسے افراد بھی ہوں گے جو بطور فرد اپنے نبی کے جانشین اور قائم مقام ہوں گے۔ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ وہ جانشین انبیاء مختلف مراتب کے ہوں گے۔ علامہ رازیؒ اِس حصۂ آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اما قولہ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی کما استخلف ھارون و یوشع و داؤد و سلیمان وتقدیرا لنظم لیستخلفنھم

استخلافاً کاستخلاف من قبلهم
من هؤلاء الانبياء عليهم السلام
(تفسیر کبیر رازی جلد ۶ صفحہ ۳۰۲)
کہ آیت کی ترکیب کے لحاظ سے معنے یہ ہونگے کہ
اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ویسے ہی خلیفے بنائیگا
جیسے اس نے پہلے ہارون، یوشع، داؤد اور
سلیمان علیہم السلام کو خلیفہ بنایا۔"

پس آیت کریمہ کا لفظ کما جو مشابہت کے لئے آیا ہے مسئلہ خلافت کے بارے میں بہت سے نزاعوں کو حل کر دیتا ہے اس سے متعین ہو جاتا ہے کہ اُمت مسلمہ کے جملہ خلفاء اُمت کے افراد میں باہر سے یا آسمانوں پر سے اُترنے والا کوئی وجود ہماری اُمت میں منصب خلافت پر سرفراز نہ ہوگا۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں قائم ہونے والے بعض خلفاء انبیاء کے درجات کو پانے والے بھی ہوں گے۔ اسی خلافت کو "خلافۃ علیٰ منهاج النبوۃ" بھی کہتے ہیں۔

پھر لفظ کما سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اُمت محمدیہ کے خلفاء راشدین کی صداقت انہی اصولوں اور قواعد سے پرکھی جائے گی جن اصولوں کی بنا پر پہلے خلفاء کی حقانیت معلوم کی جاتی رہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ان کی تائید و نصرت کرنا۔ ان کے ذریعہ دین حق کو تمکنت بخشنا اور ان کے ذریعہ اُمت کے خوف و خطر والے حالات کو امن سے بدل دینا۔

پس لفظ کما استخلف الذین من قبلهم اہل غور و فکر کے لئے مسئلہ خلافت میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ مندرجہ بالا اصول پر تدبر کرنے والا کوئی انسان خلفاء راشدین کی خلافت کی صداقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تائید و نصرت ظاہر و باہر امر ہے۔ ان کے ذریعہ سے دین کو تقویت اور تمکنت حاصل ہونا ناقابل انکار صداقت ہے اور ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کے خوف کا امن سے بدلا جانا آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے۔ سو جب قرآنی اصول اور تاریخی حقائق خلفاء کی صداقت پر شاہد ناطق ہیں تو محض وہم سے انکار کرنا خطرناک قدم ہے۔ دراصل یہ الٰہی فیصلہ کا انکار ہے۔

خلافت ایک وہبی چیز ہے

جن لوگوں نے خلافت کی حقیقت پر غور نہیں کیا وہ اسے ایک عام انتخابی چیز سمجھتے ہیں اور دنیا کے الیکشنوں کی طرح اسے بھی ایک الیکشن کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ یہ تو درست ہے کہ خلافت کی تعیین میں مومنوں کے مشورہ اور آراء کا دخل ہوتا ہے۔ (امرهم شوریٰ بینهم) لیکن یہ غلط ہے کہ خلافت کسب اور جد و جہد سے حاصل کی جا سکتی ہے اللہ تعالیٰ کا قول لیستخلفنهم بتلا رہا ہے کہ خلیفے خدا بناتا ہے اور وہ اپنے فضل سے مستحق انسان کو اس منصب پر سرفراز کرتا ہے اور اس لحاظ سے خلافت بھی نبوت کی طرح وہبی چیز ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:۔

"چنانکہ نبوت مکتسب و جبلی نیست۔
ہم چنیں خلافت خاصۂ پیغامبر نیز مکتسب
و جبلی نیست ارادۂ الٰہی از فوق سبع سمٰوات
نازل مے شود برائے تمشیت ہدایت
پیغامبر در میان مردم وا تمام نور او
و اظہار دین او و انجاز موعود برائے او
پس داعیہ احداث میفرماید در قلب
خلیفہ۔"
(ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۳)

خلفاء کے انتخاب میں مومنوں کی آراء مشیت الٰہی کا آئینہ ہوتی ہیں

خلافت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک موہبت ہے۔ اس میں مومنوں کی آراء درحقیقت اللہ تعالیٰ کی مشیت کا آئینہ ہوتی ہیں۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے:-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر فانھما حبل اللہ الممدود فمن تمسک بھما فقد تمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا۔
(ازالۃ الخفاء ص۶۳)

کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی اقتدا کرنا۔ وہ دونو خدا کا قائم کردہ رسہ ہیں جو اس سے تمسک کریگا وہ ایسے مضبوط کڑے کو چنگل مارنے والا قرار پائیگا جو ٹوٹ نہیں سکتا"۔

اس حدیث نبویؐ میں انتخاب سے ہونے والے خلفاء کو عروہ وثقیٰ قرار دیا گیا ہے تا یہ ظاہر ہو کہ صحابہؓ کا وہ انتخاب اصل میں مشیتِ الٰہی کا آئینہ دار تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے امیر معاویہ کے نام خط میں تحریر فرمایا کہ:-

"انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابا بکر و عمر و عثمان علیٰ ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد و انما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل وسموہ اماماً کان ذلک رضیً" (نہج البلاغہ جلد۲ ص۷ مطبوعہ مصر)

یعنی "میری بیعت اُن لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی اور اسی طریق پر کی ہے جس طریق پر ان کی کی تھی۔ اب حاضر کو پیچھے رہنے کا اختیار نہیں اور غائب کو رد کرنے کا حق نہیں۔ شوریٰ تو مہاجرین اور انصار کی ہوتی ہے جب وہ ایک شخص کے انتخاب پر متفق ہو جائیں اور اسے امام مقرر کرلیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی دلیل ہے"۔

یہ اقتباس بھی اس بات پر صریح دلیل ہے کہ خلفاء کے انتخاب میں مومنوں کی آراء مشیت الٰہی کی آئینہ دار ہوتی ہیں اور دراصل یہ انتخاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔

آیت استخلاف مسئلہ خلافت میں حَکَم ناطق ہے!

الغرض آیت استخلاف اپنے مضمون اور بیان کردہ معیاروں کے لحاظ سے خلافت کے نزاع میں حَکَم ناطق ہے۔ نبی کی وفات پر اُمت کے شیرازہ کو درہم برہم ہونے سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ خود خلافت کا نظام قائم کرتا ہے۔ صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ نے اذنِ دفاع دیتے وقت ان کی شان میں فرمایا تھا:-

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ٥ (الحج)

کہ "یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ہم انکو زمین میں تمکنت بخشیں گے تو یہ نماز و زکوٰۃ کو قائم کریں گے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں گے۔ تمام امور کا انجام اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے"۔ چنانچہ اس کے بعد وعدہ استخلاف کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو طاقت بخشی تو انہوں نے ان تمام نیکیوں کو قائم کیا۔ پس آیت استخلاف میں خلفاء کے قیام اور ان کے عہد خلافت میں

دین کی اشاعت اور تمکنت نیز مسلمانوں کے خوف کے امن سے بدلے جانے کی جو علامات مذکور ہیں وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت میں بدرجہ اتم ظہور پذیر ہوئیں اسلئے ان کی خلافت کا انکار کرنا آیتِ استخلاف کی تکذیب کرنا ہے۔ اگر شیعہ صاحبان اور دوسرے منکرین خلافت خلفاء راشدین آیتِ استخلاف پر غور کریں تو اُن پر کھل جائے گا کہ اس تنازعہ کے حل کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے آیتِ استخلاف کو بطور آسمانی کلید کے نازل فرمایا ہے ؂

خلفاء راشدین کی حقانیت پر قرآنی شہادات

(بقیہ صفحہ ۱۹)

رضی عن المؤمنین اذ بایعوا
النبی بالحدیبیۃ تحت الشجرۃ
المعروفۃ" (مجمع البیان جلد ۲۶ صفحہ ۲۶)

کہ "یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ وہ حدیبیہ کے مقام پر خاص درخت کے نیچے بیعت کرنیوالے صحابہؓ سے راضی ہے۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انزل السکینۃ علیھم کی اِس آیت میں بھی شریک ہیں اور سورۃ توبہ کی آیت فانزل اللہ سکینتہٗ علیہ کے بھی مصداق ہیں۔

(۶) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ النحل)

ترجمہ:۔ جن لوگوں نے مظلوم ہونے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کی ہے ہم دنیا میں بھی ان کے لئے اچھے ٹھکانے بنائیں گے اور آخرت کا اجر بہت بڑا ہے۔ کاش لوگ جانتے"

اِس آیت کی تفسیر میں شیعہ مفسر لکھتے ہیں:۔

"لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً
ای بلدۃ حسنۃ بدل اوطانہم
وھی المدینۃ عن ابن عباس وقیل
لنعطینھم حالۃ حسنۃ وھی
الفتح والنصر" (مجمع البیان جلد ۱۲ صفحہ ۲۷)

ترجمہ:۔ ہم ان مظلوم مومنوں کو دنیا میں بھی حسنہ دیں گے یعنی اچھا شہر۔ مدینہ منورہ دینگے۔ ابن عباسؓ سے یہ تفسیر مروی ہے۔ دوسرے لوگوں نے کہا کہ حسنہ سے مراد اچھی حالت ہے جس سے فتح ونصرت مراد ہے"

حضرات خلفاء ثلاثہؓ مکہ میں مظلوم تھے، وہ سچے مہاجر اور حقیقی مومن تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق اُن کو دنیا میں بھی عمدہ ٹھکانہ عطا فرمایا، فتوحات بھی دیں اور زندگی بھر مدینہ منورہ عطا فرمایا۔ اور شیخین رضی اللہ عنہما کو تو بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں جگہ بھی دی۔

کیا یہ سب حالات ان مقدسوں کی سچائی اور حقانیت پر دلیل نہیں؟ درخواست ہے کہ ہمارے شیعہ بھائی غور اور فکر سے کام لیں۔ اِن آیات قرآنیہ سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کے جتنے نشانات بیان فرمائے ہیں وہ سب کے سب حضرات خلفاء ثلاثہ میں پائے جاتے تھے اللہ تعالےٰ نے ان کی غیر معمولی تائید کی۔ ان کو بہترین طور پر خدمت اسلام بجالانے کی توفیق بخشی اور ان کا انجام ہر رنگ میں اچھا ہوا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؂

خلفاءِ راشدین کی حقانیت پر قرآنی شہادات

شیعہ صاحبان کے لئے لمحۂ فکریہ

آیتِ استخلاف پر مبنیہ علامات واضح طور پر خلفاء راشدین کی صداقت پر دلالت کر رہی ہیں۔ ان کے علاوہ بھی متعدد آیات سے حضرات خلفاء ثلاثہ کی حقانیت ثابت ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خلافت تو فریقین کو مسلّم ہے اسلئے ہم شیعہ بھائیوں کے غور کے لئے حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق بعض آیاتِ قرآنیہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (توبہ ع ۶)

ترجمہ:۔ "اگر تم لوگ اس رسول کی نصرت نہ بھی کرو تب بھی اللہ تعالیٰ یقیناً اس کی مدد کرے گا۔ وہ وقت یاد کرو جب کافروں نے اسے مکہ سے نکال دیا اور وہ صرف دو میں سے ایک تھا یعنی صرف ایک ساتھی کے ساتھ اسے نکلنا پڑا۔ پھر اس لمحہ کا تصور کرو جب یہ رسول (غار ثور میں) اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا آپ غم نہ کریں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس پر سکینت نازل فرمائی اور اس کی تائید نادیدنی لشکروں سے کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کافروں کی بات غلط ثابت ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوا۔ اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے۔"

استدلال:۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس ساتھی کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہیں شیعہ تفسیر میں لکھا ہے:۔

"ثانی اثنین یعنی انہ کان ھو وابوبکر فی الغار لیس معھما ثالث .... اذ یقول لصاحبہ ای یقول الرسول لابی بکر"

(مجمع البیان زیرِ آیت بالا)

کہ "آنحضرتؐ کے ساتھی غار میں حضرت ابوبکرؓ تھے صاحبہٖ سے وہی مراد ہیں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناصر و مددگار ٹھہرایا ہے۔ انکا صاحب قرار دیا ہے اور آنحضرتؐ نے انہیں لا تحزن کہتے ہوئے بشارت دی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ گویا جس طرح سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل تھی اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کو بھی اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل تھی۔ جس سے ان کا صالح متقی اور برگزیدہ ہونا اظہر من الشمس ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ (الانبیاء)

ترجمہ:۔ "ہم نے زبور میں ذکر کے بعد یہ مقرر کر دیا ہے کہ ارضِ مقدسہ کے وارث میرے نیکوکار بندے ہونگے۔"

اس آیت میں جس الارض کا ذکر ہے اس کی ایک تفسیر شیعہ تفاسیر میں بالفاظِ ذیل مذکور ہے:۔

"ھی الارض المعروفۃ یرثھا امۃ محمد

بالفتوح بعد اجلاء الکفار۔" (مجمع البیان)

کہ "اس سے مراد وہ معلوم زمین ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے کافروں سے فتح کی اور انہیں جلاوطن کیا۔"

اب سوال یہ ہے کہ ارض مقدسہ اور کفار کی دوسری زمینوں کو اسلام کیلئے کس نے فتح کیا؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ یہ فتوحات اپنی پوری شان میں حضرت عمرؓ کے وقت میں ہوئی تھیں؟ ارض الشام بھی اسی عہد سعادت میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئی تھی۔ پھر شیعہ بھائیوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد صالح ماننے سے کیوں انکار ہے؟

(۳) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ٥ (الحجر) کہ "ہم نے ہی اس قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

قرآن مجید کی حفاظت اور اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے معنے شیعہ تفاسیر میں اس طرح درج ہوئے ہیں:-

"الحافظون عن الزیادۃ والنقصان و التحریف والتغییر عن قتادۃ وابن عباس ومثله لا یأتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه وقیل معناه نتکفل بحفظه الی آخر الدھر علی ما ھو علیه فتنقله الامة وتحفظه عصراً بعد عصر الی یوم القیامة۔ (مجمع البیان جلد ۳ [illegible])

یعنی ہم قرآن کو ہر قسم کی زیادتی، کمی، تحریف اور تبدیلی سے محفوظ رکھیں گے۔ قتادہ اور ابن عباسؓ نے یہ معنے کئے ہیں یہی مفہوم دوسری آیت لا یأتیه الباطل میں مذکور ہوا ہے بعض مفسرین انا له لحفظون کے یہ معنے کرتے ہیں کہ ہم قرآن مجید کو ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھیں گے۔ اسمیں کوئی خرابی پیدا نہ ہوسکیگی۔ امت اسے ہر زمانہ میں قیامت تک صحیح طور پر محفوظ نقل کرتی جائے گی۔"

شیعہ بھائیوں کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کی اس حفاظت میں حضرت عثمانؓ کو کتنا وافر حصہ عطا ہوا ہے۔ قرآن مجید کو ہر قسم کے تغیر اور تحریف سے بچانے کی خدمت میں حضرت عثمانؓ گویا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نظر آتے ہیں۔ کیا اب بھی حضرت عثمانؓ کی صالحیت اور حقانیت میں شبہ کیا جا سکتا ہے؟

(۴) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ٥ (الفتح ع ۲)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمام مومنوں سے راضی ہو گیا جب انہوں نے درخت کے نیچے تیری بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ کو انکے دلوں کی باتیں معلوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں قریب ہی فتح عطا ہو گی۔"

یہ آیت کریمہ حدیبیہ کے واقعہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات تاریخوں اور شیعہ تفاسیر میں مذکور ہیں خلاصہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں سے گفتگو کے لئے حضرت عثمانؓ کو بھیجا تھا۔ مشہور ہو گیا کہ کفار نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے حدیبیہ کے مقام پر ڈیڑھ ہزار صحابہؓ سے بیعت لی۔ اسی بیعت کا ذکر سورۃ فتح کی مندرجہ بالا آیت میں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے یہ بیعت کی۔ چونکہ حضرت عثمانؓ مکہ میں محبوس تھے اسلئے ان کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دوسرا ہاتھ رکھ کر اقرار بیعت کرتے ہوئے فرمایا هٰذَا يَدُ عُثْمَانَ یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔ آیت قرآنی صراحت سے بیان کر رہی ہے کہ ان سب بیعت کنندوں سے خدا راضی ہے، وہ مخلص مومن ہیں، ان کے ایمان پر طعن کرنا اپنی پردہ دری کرنا ہے۔ یہ آیت مجموعی طور پر حضرات خلفاء ثلاثہ کی حقانیت پر دلیل ہے۔ شیعہ تفسیر میں لکھا ہے:-

"ھذا اخبار منه سبحانه انه

انتخابِ خلفاء کے مختلف طریقے

[ذیل میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی معرکۃ الآراء کتاب ازالۃ الخفاء بزبان فارسی کا ایک اقتباس اہل علم کے غور کے لئے درج کیا جاتا ہے۔ اس میں انہوں نے انعقادِ خلافتِ خلفاء کے مختلف چار طریقے ذکر فرمائے ہیں (۱) بیعتِ اہل حل و عقد (۲) تعیین منجانب خلیفہ سابق (۳) شوریٰ (۴) استیلاء۔ طریقہ چہارم اصل شرعی طریق نہیں ہے۔ حضرت شاہ صاحب موصوف کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت طریقہ اول کے ذریعہ، حضرت عمرؓ کی خلافت طریقہ دوم کے ذریعہ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت طریقہ سوم کے ذریعہ منعقد ہوئی تھی ——— (ایڈیٹر)]

"انعقادِ خلافت بچہار طریق واقع شد۔

(۱) طریقِ اول بیعتِ اہلِ حل و عقد است از علماء و قضاۃ و امراء و وجوہ ناس کہ حضور ایشاں متیسر شود و اتفاق اہلِ حل و عقد جمیع بلادِ اسلام شرط نیست۔ زیرا کہ آں ممتنع است و بیعتِ یک دو کس فائدہ ندارد۔ و زیرا کہ حضرت عمر در خطبۂ آخر خود فرمودہ اند۔

"فمن بایع رجلاً علی غیر مشورۃ من المسلمین فلا یبایع ھو والذی بایعہ تغرۃً ان یقتلا"

و انعقادِ خلافت حضرت صدیق بطریقِ بیعت بودہ است۔

(۲) طریقِ دوم استخلافِ خلیفہ است مستجمع شروط را یعنی خلیفۂ عادل بمقتضائے نصحِ مسلمین شخصے را از میانِ مستجمعین شروطِ خلافت اختیار کند و جمع نماید مردماں را و نص کند باستخلافِ شے و وصیت نماید باتباعِ شے پس ایں شخص میانِ سائر مستجمعین خصوصیتے پیدا کند و قوم را لازم است کہ ہماں شخص را خلیفہ سازند۔ انعقادِ خلافتِ حضرت فاروق بہمیں طریق بود

(۳) طریقِ سوم شوریٰ است و آں آنست کہ خلیفہ شائع گرداند خلافت را در میان جمعی از مستجمعین شروط و گوید از میان ایں جماعہ ہر کرا اختیار کنند خلیفہ او باشد۔ پس بعد موتِ خلیفہ تشاور کنند و یکے را معین سازند و اگر برائے اختیار شخصے را یا جمعی را معین کنند اختیارِ ہماں شخص یا ہماں مجمع معتبر باشد و انعقادِ خلافتِ ذوالنورینؓ بہمیں طریق بود کہ حضرت فاروق خلافت را در میان شش کس شائع ساختند و آخرہا عبدالرحمانؓ بن عوف برائے تعیینِ خلیفہ مقرر شد و وے حضرت ذوالنورین را اختیار نمود۔

(۴) طریقِ چہارم استیلاء است۔ چوں خلیفہ بمیرد و شخصے متصدی خلافت گردد بغیر بیعت و استخلاف، و ہمہ را بر خود جمع سازد باستیلافِ قلوب یا بقہرِ نصب و قتال خلیفہ شود و لازم گردد بر مردماں اتباعِ فرمانِ او در آنچہ موافق شرع باشد و ایں دو نوع است۔

یکے آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد
و صرف منازعین کند بصلح و تدبیر از
غیر ارتکاب محرمے۔ و ایں قسم جائز است
و رخصت و انعقاد خلافت معاویہ
ابن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰ رض و
بعد صلح امام حسن بہمیں نوع بود۔

دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد
و صرف منازعین کند بقتال و ارتکاب
محرم و ایں جائز نیست و فاعل آں
عاصی است لیکن واجب است قبول
احکام او چوں موافق شرع باشد
و اگر عمال او اخذ زکوٰۃ کنند
از ارباب اموال ساقط شود و چوں
قاضی او حکم نماید نافذ گردد و مع او
جہاد تواں کرد۔ و ایں
انعقاد بنا بر ضرورت است زیرا کہ
در عزل او افنائے نفوس مسلمین
و ظہور ہرج و مرج شدید لازم
است۔ چرا باید کرد برائے مصلحے
کہ موہوم است و محتمل۔ و انعقاد
خلافت عبد الملک بن مروان و
اول خلفائے بنی عباس بہمیں نوع
بود۔

بالجملہ اگر شخصے متفرد باشد
در زمان خود بشروط خلافت یا جمعی
ہستند متصف بشروط خلافت و
ایں شخص افضل ہمہ است منعقد
نشود خلافت او بغیر یکے از طرق
مذکورہ زیرا کہ بصفتے کہ وے دارد
بدون تسلط یا بیعت خلافت منعقد
نشود و فتنہ ساکن نگردد۔ و لہذا
جماعہ از صحابہ بعد انتقال آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بر تسبیق علی
مبادرت کردند به بیعت حضرت
صدیق رض و اکتفا نمودند بر تفضیل
او۔ و اہل علم تکلم کردہ اند در آنکہ
خلافت حضرت مرتضیٰ رض بکدام
طریق از طرق مذکورہ واقع شد۔
مقتضائے کلام اکثر آنست کہ بیعت
مہاجرین و انصار کہ در مدینہ
حاضر بودند خلیفہ شدند و اکثر نامہائے
حضرت مرتضیٰ رض کہ با اہل شام
نوشتہ اند شاہد ایں معنی است۔"
(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ
الخلفاء ص۶)

خلافت راشدہ کیلئے مسلمانوں کی تمنائیں

مشہور سیاسی لیڈر جناب مولانا محمد علی صاحب جوہر لکھتے ہیں:۔
"رات کو شریف پاشا کے ہاں کھانے کے بعد
دیر تک ان کا اسلام اور تنظیم مسلمانان اور اس
کیلئے ایک نئے ٹائپ کے علماء پیدا کرنے اور
تاسیس خلافت بمنہاج خلافت راشدہ پر
گفتگو ہوتی رہی۔" (رسالہ مولانا محمد علی کے یورپ کے سفر ص۱۲۶)
اصل بات یہ ہے کہ خلیفے خدا ہی بناتا ہے اور جنہیں یہ نعمت
حاصل ہو انہیں اس کی پوری قدر کرنی چاہیئے۔

خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی حقانیت اور دیگر شیعی مسائل

کے متعلق

شیعہ اکابر سے نہایت دلچسپ گفتگو

(از قلم حضرت مولوی عبید اللہ صاحب بسمل مصنف ارجح المطالب)

ذیل میں حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بسمل کا جواب مضمون مندرجہ الحکم $\frac{2}{39}$ شیعی مسائل پر گفتگو سے متعلق درج ہے۔ حضرت مولانا مرحوم فارسی اور عربی زبان کے متبحر عالم تھے۔ شیعی مسائل میں انہیں خاص مہارت تھی۔ مناظرہ میں نہایت لطیف رنگ میں الزام خصم پر انہیں قدرت حاصل تھی۔ جناب نواب صاحب ریاست رامپور سے حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے کارناموں کے متعلق گفتگو خاص طور پر قابلِ دید ہے۔ اس مضمون کی طرف توجہ دلانے کے لحاظ سے مکرم سید محمد حسین شاہ صاحب حال راولپنڈی قابلِ شکریہ ہیں ——— (ایڈیٹر)

شیعہ مذہب کے اصول کے متعلق ایک ذاکر سے گفتگو

ایک دفعہ جبکہ میں لکھنؤ گیا تو لطافت وفصاحت دو شاعروں کے مکان کے محاذ میں ٹھہرا۔ اُن سے بوجہ شعر و شاعری گہری ملاقات ہوگئی۔ وہاں ایک پیش نماز صاحب میر حسن یا میر حسین نامی تشریف لائے۔ آپ بڑے خوش بیان ذاکر مشہور تھے۔ جب میرا نام پوچھا تو چیں بہ جبیں ہو کر کہنے لگے۔ محبانِ اہل بیت کے لئے ایسے نام زیبا نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ لاعلمی سے رکھا گیا ہے۔ کہنے لگے بدل دینا چاہیئے۔ عرض کیا کہ اب بدلنا مشکل ہے۔ فرمایا کہ شیعہ اصول سے آپ واقف ہیں؟ عرض کیا نہیں۔ ذاکر صاحب نے کہا پانچ اصول ہیں۔ توحید، رسالت، عدالت، امامت، معاد۔ میں نے کہا میری سمجھ میں نہیں آیا پھر ارشاد ہو۔ فرمایا توحید۔ میں نے عرض کیا ٹھیک قُل هُوَ اللهُ اَحَد۔ اِنَّمَا اِلٰهُكُم اِلٰهٌ وَّاحِد۔ پھر فرمایا رسالت۔ میں نے کہا بجا۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُول۔ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ ط وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُم۔ تیسرا اصل ارشاد ہو۔ فرمایا عدالت۔ میں نے عرض کیا اِنَّ اللهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيد جب ظالم نہیں تو عادل ہی سہی۔ گو قرآن مجید میں تو عادل کا لفظ واقع نہیں ہوا مالک کا لفظ آیا ہے۔ اچھا تسلیم کر لیتے ہیں۔ چوتھا اصول؟ ذاکر صاحب کے مُنہ سے نکلا معاد۔ میں نے کہا یہ بھی درست اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا۔ پانچواں اصول ارشاد ہو فرمایا امامت خاکسار نے عرض کیا کہ ما علیٌّ اِلَّا امامٌ کہاں ہے؟ اس کے واسطے نصِ صریح قطعیۃ الدلالت کونسی ہے؟ ذاکر صاحب فصاحت صاحب کی طرف متوجہ ہو کر بولے "اجی حضرت اِن کو سمجھانا کارے دارد ہے۔"

واقعاتِ کربلا

دوسرے روز انہی کے مکان پر عشرۂ محرم کا جہلم تھا۔ بہت زور شور سے مرثیہ خوانی ہوئی۔ حضرت قاسم کی شادی

کا مرثیہ پڑھا گیا۔ جب مجلس ختم ہو چکی تو صاحبِ خانہ نصاحت میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔ کس شرح و بسط کے ساتھ دردآمیز اشعار میں مرثیہ پڑھا گیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ قاسم کی شادی کربلا میں ہوئی تھی! اس کا راوی اوّل کون ہے؟ کیا حضرت امام زین العابدین ہیں؟ یا اہلبیت میں سے کوئی عصمت مآب خاتون؟ کہنے لگے نہیں، واقعاتِ صحیحہ میں سے ہے۔ میں نے کہا کہ کربلا کا اصل واقعہ تو حضرت امام حسینؓ کی شہادت ہے۔ لیکن جب کوئی حضرت امام حسینؓ کا سر جسدِ مبارک سے جدا کر کے ابن زیاد کے پاس لے گئے اور ابن زیاد نے دمشق میں نیزے پر علم کر کے بھیجدیا تو یزید نے وہ کہاں رکھا؟ کیا حضرت امام زین العابدین کو حاصل ہو گیا تھا؟ اگر حضرت امام زین العابدین کو دیدیا تھا تو حضرت امام حسینؓ کو دمشق میں دفن کیا؟ یا راستے میں یا مدینے میں یا کربلا میں لا کر دفن کیا؟ آپ کسی صحیح روایت سے نہیں ضعیف روایت سے ہی اسکی شرح و بسط بیان فرمائیں۔ اسکے علاوہ اہلبیت کو جب کوفی اونٹوں پر سوار کر کے لے گئے تھے اور شہدائے کربلا کے لاشے خاک و خون میں لتھڑے ہوئے چھوڑ گئے تھے تو جنابِ امام حسین کا جسدِ اطہر کس نے شناخت کیا؟ اور کس نے دفن کیا؟ وہ کونسا ایسا معتبر راوی ہے؟ روایت میں ہے کہ بہتر نفوس حضرت امام حسینؓ کے ساتھ شہید ہوئے۔ ان بہتر لاشوں کو کس قوم نے آ کر دفن کیا؟ وہ کونسا ایسا معتبر راوی ہے کہ جس نے یہ بیان کیا ہو کہ حضرت امام حسینؓ کا جسدِ مبارک اسی کربلا کے گنبد میں مدفون ہے کیونکہ امام زین العابدین یا اہلبیت کو کوفیوں نے تو دفن کرنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا اور ان کو اونٹوں پر سوار کر کے کوفے کی طرف لے گئے تھے اور کوفیوں میں سے بھی کسی نے حضرت کا لاشہ دفن نہیں کیا تھا۔

غرضیکہ مخالف اور موافق گروہ کا کوئی معتبر آدمی حضرت امام حسینؓ کے دفن کی روایات کو بالتفصیل بیان نہیں کرتا۔ جب ایسا اہم واقعہ روایت میں نہیں آیا تو کیونکر مانا جائے کہ قاسم کی شادی کربلا میں رچائی گئی تھی؟ پہلے حضرت امام حسین کی شہادت پر ہی روشنی ڈال دو اور امام کے سرِ اقدس کا پتہ دیدو پھر کربلا کے دیگر واقعات کو پیش کرو۔ ورنہ موضوع روایات پر عوام الناس تو کان دھر سکتے ہیں لیکن جویائے حقیقت کی پیاس نہیں بجھتی۔

نواب صاحب رامپور سے بحث

انہیں دنوں جب میں واپس رامپور میں آیا تو نواب حامد علی خان والئے ریاست رامپور فرمانے لگے۔ عثمانؓ کا لاشہ تین روز بے گور و کفن پڑا رہا۔ گدھوں نے نوچا ہوگا اور سنیوں میں سے کسی نے پرواہ نہ کی۔ یہ فرما کر روئے سخن خاکسار کی طرف کر کے ارشاد ہوا کیوں مولوی عبید اللہ سچ ہے؟ خاکسار نے عرض کیا کہ میری سمجھ میں تو یہ نہیں آتا کیونکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت ہی کے دن حضرت طلحہؓ، زبیرؓ اور مدینہ کے اصحابِ حل و عقد نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی تھی۔ ایک شخص اعتراض کرے گا کہ حضرت علی اس قدر سنگدل تھے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے لاشہ کی اس قدر توہین گوارا کی۔ کل کی بات ہے کہ حضرت سید احمد صاحبؒ بریلوی کے لاشہ کی نسبت پنجاب کے راجہ شیر سنگھ کو کسی نے کہہ دیا کہ حضرت سید صاحب کا فلاں لاشہ ہے لیکن سر نہیں۔ تو شیر سنگھ نے اپنا قیمتی دوشالہ بھجوا کر اپنی فوج کے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نہایت احترام کے ساتھ سید صاحب کے لاشہ کا جنازہ پڑھا جائے۔ تو شیر سنگھ سے بھی زیادہ صحابہؓ قسی القلب تھے یا حضرت علیؓ شیر سنگھ سے بھی گئے گذرے تھے کہ ایک خلیفہ کے لاشہ کا احترام نہ کیا۔ نواب صاحب

فرمانے لگے حضرت علیؓ کا کیا قصور ہے اہلسنت والجماعت نے بے اعتنائی کی۔ میں نے عرض کیا کہ اہلسنت والجماعت کیا اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جب کوفہ میں حروریہ نے حضرت علیؓ کو قتل کی دھمکی دی تو آپؓ نے فرمایا کہ اُکِلتُ یوم اکل الثور الابیض (یہ عرب کی ایک مثال ہے جس کا اشارہ کلیلہ دمنہ کے اُس واقعہ کی طرف ہے جس میں تین سفید، سُرخ، سیاہ بیلوں کے متعلق ذکر آتا ہے کہ شیر نے انہیں ایک ایک کرکے پھاڑ دیا) یعنی میں تو اسی دن قتل ہو گیا تھا جس روز حضرت عثمان شہید ہوئے۔ اگر حضرت عثمانؓ کے لاشہ کا کسی نے احترام نہیں کیا تو کیا جواب ہے اس کا کہ حضرت امام حسینؓ کے لاشہ کا بھی کسی نے احترام نہیں کیا اور کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ امام حسین کا لاشہ بھی شاید گھوڑوں نے نوچا ہو کیونکہ وہ بھی ریگ تپاں میں پڑے رہے تھے۔ کچھ سوچ کر نواب صاحب فرمانے لگے کہ میں بھی نہیں کہتا کہ حضرت عثمانؓ کے لاشہ کی بے حرمتی ہوئی ہے۔

عید بابا شجاع

ایک دوسرے روز کا واقعہ ہے وہ عید بابا شجاع کا دن تھا یعنی وہ دن جس دن ابولؤلؤ نے حضرت عمرؓ کو شہید کیا تھا۔ (شیعوں میں علاوہ عیدین کے نوروز، عید بابا شجاع اور عید غدیر منائی جاتی ہیں۔ عید نوروز تو وہ ہے جس دن حضرت علیؓ کو خلافت ملی اور عید بابا شجاع اُس دن منائی جاتی ہے جس دن حضرت عمرؓ شہید ہوئے اور عید غدیر اُس دن منائی جاتی ہے جس دن رسول کریمؐ غدیر خم پر پہنچے تو آپؐ نے حضرت علیؓ کے متعلق فرمایا۔ مَن کُنتُ مولاہ فعلیٌ مولاہ) غرض وہ عید بابا شجاع کا دن تھا کہ نواب صاحب کہنے لگے آج وہ دن ہے کہ جناب سرور عالمؐ حسنینؓ کو بٹھا کر کہتے تھے کہ او میرے بچو کھاؤ آج نمرود اِس اُمت کا مارا جائے گا۔ کھاؤ میرے بچو کھاؤ آج کے دن اِس اُمت کا فرعون مارا جائیگا۔

غرض ایسے الفاظ استعمال کئے۔ چونکہ نواب صاحب کی ذہنیت خاکسار کو چھیڑنا منظور تھا خاکسار کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔ عبید اللہ تمہیں تو اس کا انکار ہوگا۔ عرض کیا ہاں سخت انکار۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب رسالتمآبؐ بظاہر شیخین کے ساتھ تپاک سے پیش آتے تھے اور دل میں خصومت رکھتے تھے۔ کیا کسی نبی کی تعریف ذرا لو تمہیں قرآن شریف میں آتی ہے؟ یا کسی نبی نے ایسا کیا؟ اگر یہودیوں سے پوچھا جائے کہ اُمتِ موسوی میں کونسے بزرگ افضل و اعلیٰ تھے تو وہ جواب یہی کہینگے اصحابِ موسیٰؑ۔ اگر عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ عیسوی اُمت میں کونسے انسان کامل الایمان تھے اور افضل اُمت و تو جواب ملے گا اصحاب عیسیٰؑ۔ مگر برخلاف اسکے اگر شیعوں سے پوچھا جائے کہ کون اشرار اُمت ہیں تو وہ بے ساختہ جناب رسالتمآبؐ کے اصحابؓ کی طرف اشارہ کر دینگے۔ ع جو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔ آج ایک شخص "اُمہات المومنین" اور "دربارِ محمدیؐ" لکھ کر عیسائی مذہب کا آدمی امیر احمد نامی پیش کرتا ہے کہ شیعہ مذہب کے اقوال کے مطابق نبی عرب کا ایک صحابی بھی قابل اعتماد نہ تھا۔ تو شیعہ مذہب جو ازراہ تعصب و عناد الزامات صحابہؓ اور اُمہات المومنین کی نسبت لگاتے ہیں اگر ان کو صحیح مانا جائے تو اسلام کا بالکل استیصال ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ اور طبرسی یہ لکھتے ہیں کہ جو کچھ ہم کو ملا ہے غیر کے گھر سے ملا ہے کیونکہ شیعہ مذہب میں موضوعات کے دفتر کے سوا اور کچھ نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے کارنامے

ایک شب مولوی ذوالفقار علیخان صاحب ڈپٹی کلکٹر

عکرہ بلانہ سے نواب صاحب سے گفتگو کر رہے تھے کہ حضرت امیر یعنی حضرت علیؓ نے عمرو ابن عبدود کو مارا

مرحب کو مارا، خندق فتح کیا، خیبر فتح کیا۔ مگر شیخین نے کس اونٹ کا کان چیرا ہے۔ اسی اثنا میں سنبل بھی نواب صاحب کے دربار میں پہنچ گیا۔ یکبارگی روئے سخن بدل کر خاکسار سے فرمانے لگے۔ مولوی عبید اللہ شیخین نے کس اونٹ کا کان چیرا ہے؟ میں نے عرض کیا حضور پر ہویدا ہے کہ میں پنجاب کا رہنے والا ہوں۔ آداب ریاست سے نابلد۔ کوئی گستاخی کا لفظ میری زبان سے سرزد ہوجائے یا سوء ادبی ہوجائے تو مورد عتاب ٹھہروں۔ دوم آقا و غلام کا مناظرہ موزوں نہیں بے ادبی پر دال ہے۔ اس واسطے خانہ زاد کو معاف رکھا جائے۔ نواب صاحب فرمانے لگے کہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل منظور ہے بحث کی ضرورت نہیں۔ آزادی سے بیان کرو۔ میں نے پھر اس پر دست بستہ عرض کی کہ مجھ کو معاف رکھا جائے۔ اس پر بضد ہو کر کہنے لگے جو تمہارے دل میں ہے ضرور بیان کرو۔ کیونکہ میں سنتا رہتا ہوں کہ تم نہایت آزادی سے گفتگو کرتے ہو اور بارہا میرے سامنے بھی کی ہے اب کیوں انکار کرتے ہو۔ میں نے کہا سچ کہا ہے تو مارا کہ دگستاخ۔ حضور کے کرم نے گستاخ کر دیا ہے لیکن اب میں گستاخی کرنا مناسب حال نہیں سمجھتا۔ کہنے لگے تمہیں میرے سر کی قسم بیان کرو۔ میں نے عرض کیا قسم نہ دیں جو کچھ میرے خیال میں ہے عرض کئے دیتا ہوں لیکن جب تک میں اپنا پورا مافی الضمیر ادا نہ کر لوں تب تک درمیان میں اعتراض نہ کیا جائے۔ اس پر نواب صاحب نے کہا مولوی انصار حسین و مولوی علی رضا کو بلاؤ۔ وہ دونوں مصاحب منزل میں بیٹھے ہوئے تھے فوراً حاضر ہو گئے۔ مولوی انصار حسین کو نواب صاحب نے کہا۔ مولوی عبید اللہ شیعہ مذہب کی نسبت ایک اعتراض کرتا ہے میں جواب دیتا ہوں تم غور سے سنو۔ ہاں مولوی عبید اللہ! تم اپنا خدشہ پیش کرو۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! جب تک سرورِ عالمؐ اس دارِ ناپائیدار میں تشریف فرما تھے کسی صحابی کا کارنامہ ذاتی نہ سمجھا جاتا تھا محض تعمیلِ ارشاد تھی۔ جو کچھ ارشاد ہوا صحابی نے اس پر عمل کیا۔ ذاتی کارنامے صحابہؓ کے آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد محسوب ہوتے ہیں۔ حضور سنی و شیعہ اور عیسائیوں کی تاریخ اٹھا کر ملاحظہ فرمائیں کہ جس وقت آنحضرتؐ اس دارِ ناپائیدار سے رحلت فرما کر عالمِ جاودانی کی طرف تشریف لے گئے تو اس وقت اسلام اور مسلمان کن کن مخمصوں میں گرفتار تھے۔ چند مخمصے بیرونی تھے اور چند اندرونی بیرونی مخمصے یہ تھے:۔

اول مسیلمہ کذاب۔ سجاح بنت الحارث۔ اسود عنسی۔ طلیحہ بن خویلد۔ ان چاروں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مسیلمہ کے ساتھ یمامہ میں ساٹھ ہزار کے قریب مسلح شور (ہتھیار بند پہلوان) مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ سجاح بنت الحارث کے پاس اس سے زیادہ جرار فوج موجود تھی۔ اسود عنسی کے پاس تیرہ چودہ ہزار۔ طلیحہ کے پاس بیس ہزار آدمی موجود تھے۔ ان مدعیانِ نبوت کا خیال تھا کہ جب تک اسلامی جماعت کا استیصال نہ ہو جائے تب تک ہمارا مذہب حجاز کے لوگ نہیں مانیں گے اور عرب ہماری نبوت کا قائل نہیں ہوگا اسلئے مدینہ جا کر مسلمانوں کا قلع قمع کر دینا چاہیے۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے بھی ان فتنوں کے دفعیہ کے لئے اسامہ بن زیدؓ کے ماتحت ایک سریہ مدینہ سے روانہ کرنے کا ارادہ فرما کر ارشاد کیا تھا۔

دوسرا مخمصہ مرتدینِ عرب کا تھا جن کی نسبت علامہ ابن خلدون لکھتا ہے کادت ترتد العرب تیسرا مخمصہ مانعینِ زکوٰۃ کا تھا۔ چوتھا مخمصہ مولفۃ قلوبہم کا۔ پانچواں مخمصہ یہود بنی قریظہ اور بنی نضیر کا جن سے خیبر میں چند لڑائیاں ہو چکی تھیں۔ چھٹا مخمصہ مشرکینِ عرب کا جن کے ساتھ متعدد غزوات ہو چکے تھے۔ ساتواں بنی نجران کا گو بظاہر انہوں نے مسلمانوں سے لڑائی تو نہیں کی تھی مگر یہ شام سے بغرض اشاعتِ دینِ عیسوی آئے ہوئے تھے۔ یہ اپنی تبلیغ کا مزاحم اسلام کو پاتے تھے اور ان کی دلی آرزو تھی کہ اگر اسلام کا پاؤں درمیان سے اٹھ جائے تو تمام جزیرہ نمائے عرب کو دینِ عیسوی میں لے آنا ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ چنانچہ قبیلہ بنی طے اور دیگر قبائل اُن کی تبلیغ سے عیسائی ہو چکے تھے۔ یہ بیرونی مخمصے تھے۔

اب اندرونی مخمصوں میں سے ایک منافقین کا تھا۔ دوسرا مخمصہ جو پختہ مسلمانوں کے درمیان پیدا ہو گیا تھا وہ یہ ہے کہ پختہ مسلمانوں کی تعداد اس وقت جیسا کہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتا ہے ۱۴۰۰ و ۱۶۰۰ کے درمیان تھی جو بیعت رضوان میں داخل ہوئے تھے، یہ تعداد دو گروہوں پر منقسم تھی۔ ایک گروہ مہاجرین کہلاتا تھا دوسرا انصار۔ آنحضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی انصار کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ نبی کریمؐ خدا کے فرستادہ تھے اسلئے ہم نے ان کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا لیکن دوسرے قریش کے لوگ مظلومانہ حالت میں مکہ سے نکلے تھے۔ وہ بے سروسامانی کی حالت میں مدینے آئے تھے ہم نے اُن کی مدد کی۔ اُن کو مکان دیئے۔ خوراک پوشاک سے ہم نے ان کی مدد کی۔ اگر نہ کرتے تو وہ بھوک سے ہلاک ہو جاتے۔ وہ ہمارے دستِ نگر ہیں اور ہمارے احسان کے نیچے ہیں۔ ہم ان کو اپنے شہر کا اور اپنی جانوں پر حاکم کس طرح بنا لیں؟ اسی واسطے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار نے جمع ہو کر سعد بن ابی عبادہ کو اپنا امیر مقرر کر لینا چاہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ اس وقت مسجد نبوی میں جنازے کا انتظار کر رہے تھے کہ ان کے کان میں یہ بھنک پڑی کہ انصار نے اپنا امیر مقرر کر لیا ہے یا کر لینے کو تیار ہیں۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ عرب انصار کا لوہا نہیں مانیں گے۔ اور العرب لا یصلح الا بالقریش۔ قریش کو متولی کعبہ سمجھ کر عرب عزت کی نگاہ سے دیکھتے چلے آئے ہیں، اب بھی قریش کے سامنے سرخم کریں گے۔ اگر قریش نے اس وقت انصار کی حکومت مان لی تو قریش کی وقعت دیگر قبائل عرب سے اُٹھ جائے گی۔

چنانچہ سر ولیم میور نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے حضرت ابوبکرؓ نے عجلت کی کہ انصار کو جا کر روک لیا جائے اور امارت کے خیال سے باز رکھا جائے ورنہ عرب میں فتنۂ عظیم الشان برپا ہو جائیگا جسے انصار سنبھال نہیں سکیں گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو لیکر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت ابو عبیدہ جراح امین ہذہ الامت مل گئے۔ یہ تینوں اکابر صحابہ میں شمار ہوتے تھے تینوں متفق ہو گئے کہ ما جاء بہ الرسول میں مزاحمت نہ پیدا ہو اور اشاعتِ اسلام میں رخنہ نہ پیدا ہو۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے اور بہت سی حیص بیص کے بعد حضرت ابوبکرؓ اجماعِ صحابہؓ سے خلیفہ قرار دیئے گئے۔ میں اس وقت یہ عرض نہیں کر سکتا کہ یہ اجماع جائز تھا یا ناجائز بہرحال صحابۂ کثیر کے اجماع سے حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہو گئے۔ دو سال چند ماہ آپؓ صدرِ خلافت پر متمکن رہے۔ اس قلیل عرصہ میں آپؓ کی حسنِ تدبیر سے مسیلمہ کذاب۔ سجاح متنبیہ۔ اسود عنسی۔ طلیحہ بن خویلد۔ مرتدینِ عرب۔ مانعینِ زکوٰۃ۔ مولفۃ قلوبہم۔ منافقین کے تمام مخمصے جزیرۂ عرب سے دور ہو گئے اور اسلامی لشکر قیصر و کسریٰ کے مقابل کھڑا ہو گیا اور بعض بعض مقامات اُن سے

چھین لئے گئے۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت فی الدین تھی۔ اگر خدمت فی الدین تسلیم نہ کی جائے تو مسلمانوں پر اُن کا احسان تھا کیونکہ اگر حضرت ابوبکرؓ سے کوئی سوءِ تدبیر ہو جاتی تو مسلمان قیصر و کسریٰ کے مقابلہ یا مسیلمہ یا اسود عنسی کے لشکر کے مقابل پر شکست کھا جاتے تو مسلمان شہید ہو جاتے اور حسبِ قوانینِ ملک عرب مسلمانوں کی عورتیں بیوہ ہو کر لونڈیاں اور بچے یتیم ہو کر کفار کے غلام ہو جاتے۔ سُنّی، شیعہ اور عیسائیوں کی تاریخ اٹھا کر ملاحظہ فرما لیا جائے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے انتقال کے قریب اپنا جانشین حضرت عمرؓ کو قرار دیا۔ یہ جانشین قرار دینا عرب میں استخلاف کہلاتا ہے۔ میں یہ عرض نہیں کر سکتا کہ یہ استخلاف جائز تھا یا ناجائز۔ بہرحال حضرت عمرؓ خلیفہ ہو گئے اور دس سال تک آپؓ نے مسندِ خلافت کو زینت دی۔ اس عرصہ میں فارس کا ملک فتح ہو گیا۔ وہ صحابہ جو بھوک کی وجہ سے سنگِ مجاعت اپنے پیٹ پر باندھا کرتے تھے اُن کے گھر خزائنِ کسروی کی غنیمت سے مالا مال ہو گئے۔ اور فارس کے شاہوں کی لڑکیاں بطور سبایا مسلمانوں کے گھروں میں آ گئیں۔ چنانچہ ایک اُن میں سے یزدگرد (فارس کے آخری بادشاہ) کی بیٹی جن کو بانو کہتے ہیں حضرت امام حسینؓ کے گھر میں آئیں جن کے بطنِ مبارک سے حضرت امام زین العابدین پیدا ہوئے جن کو شیعہ ائمہ اثنا عشر میں چوتھا امام اعتقاد کرتے ہیں۔ اس کے سوا مقوقس سے مصر کا ملک پورے کا پورا لشکرِ اسلام نے عمروؓ بن العاص کی ماتحتی میں چھین لیا اور سلطنتِ اسلام کو یہاں تک وسعت ہوئی کہ شام کی وہ مبارک سرزمین جس کی نسبت قرآن شریف میں وَبَارَكْنَا حَوْلَهُ وارد ہے نصاریٰ کے ناپاک ہاتھوں سے چھین کر مسلمانوں کو اس کا متولی بنا دیا گیا۔ یہ حضرت عمرؓ کی خدمت فی الدین ہے۔ اگر خدمت فی الدین تسلیم نہ کی جائے تو مسلمانوں پر اُن کا احسان ہے۔ کیونکہ اگر اسلامی لشکر قیصر یا کسریٰ یا مقوقس کے بالمقابل شکست کھا جاتا تو مسلمان عورتیں بیوہ ہو کر لونڈیاں اور مسلمان بچے یتیم ہو کر غلام بن جاتے۔ سُنّی، شیعہ حتّٰی کہ نصاریٰ کی تاریخ کو ملاحظہ فرما لیا جائے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ مجلس شوریٰ کے انتخاب سے خلیفہ مقرر ہوئے۔ میں نہیں عرض کر سکتا کہ شوریٰ جائز تھا یا ناجائز۔ بہرحال حضرت عثمانؓ خلیفہ ہو گئے۔ قریب بارہ سال کے حضرت عثمانؓ مسند آرائے خلافت رہے۔ اُن کے عہدِ مبارک میں طرابلس الغرب سے لے کر بخارا تک اسلامی سلطنت پھیل گئی جو اِس وقت چھ سات سلطنتوں میں منقسم ہے۔ مصر مصر والوں کے پاس ہے۔ شام میں فرانسیسی ہیں اور برٹش گورنمنٹ بھی ہے۔ عرب و نجد ایک کے پاس ہے تو حجاز دوسرے کے پاس۔ یمن تیسرے کے پاس۔ فارس شاہِ ایران کے پاس ہے۔ مسقط شاہِ مسقط کے پاس ہے۔ بخارا روسیوں کے پاس ہے۔ کابل شاہِ کابل کے پاس ہے۔ حضرت عثمانؓ کے وقت اتنی وسیع سلطنت ایک خلیفہ کے ماتحت تھی۔ اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے وہ بڑا کام کیا جو کسی صحابی سے نہ ہو سکا۔ وہ قرآن کریم جو مایۂ رشد و ہدایتِ مسلمین ہے، جو آلۂ خدا شناسی ہے اور مایۂ نازِ اہلِ اسلام ہے اور جس پر سُنّی و شیعہ دونوں گروہ

تفاسیر لکھ رہے ہیں وہ مرتب و مدون کیا ہوا حضرت عثمانؓ کا ہے۔ اگر حضرت عثمانؓ مدون نہ کرتے تو جس طرح آج عیسائیوں کے مختلف گروہوں کی متفرق انجیلیں ہیں اُسی طرح لوگوں کے تصرفات سے قرآن کریم بھی ہوتا۔ اس کا مشرق کا نسخہ مغرب کے ساتھ متفق نہ ہوتا۔ چونکہ خدا کا وعدہ تھا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اسلئے اِس کا مصداق حضرت عثمانؓ ٹھہرے۔ اور تمام دنیائے اسلام میں قرآن کریم کی ایک سی صورت رہی شیعہ بھی اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قرآن "بیاضِ عثمانی" ہے۔ سُنّی شیعہ حتیٰ کہ نصاریٰ کی تاریخ کو ملاحظہ فرمالیا جائے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ یہ حضرت عثمانؓ کی خدمت فی الدین ہے اگر خدمت فی الدین تسلیم نہ کی جائے تو مسلمانوں پر ان کا احسان ہے کیونکہ اگر قرآن کے متفرق نسخے ہوتے تو شیعوں کے پاس کچھ، سُنّیوں کے پاس کچھ، خوارج کے پاس کچھ، باعثِ اختلاف ہوکر اسلام کی جامعیت جاتی رہتی۔

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہ نسبت حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ زیادہ عرصہ تک بقیدِ حیات رہے ہیں بجز اس کے کہ جنگِ جمل میں قریباً ساٹھ ہزار مسلمان جان سے مارے گئے اور جنگ صفین میں ستر ہزار اور جنگ نہروان میں بارہ ہزار آدمی مارے گئے، مسلمان عورتیں بیوہ ہوگئیں مسلمان بچے یتیم ہوگئے۔ اسلامی فتوحات رک گئیں۔ حضرت علیؓ کا حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ سے کونسا زیادہ احسان ہے جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ سے افضل و اعلیٰ سمجھا جاوے۔ خاکسار کا یہ کہنا تھا کہ نواب صاحب پلنگڑی پر لیٹ گئے اور رومال ہلایا کہ اب اُٹھ کر چلے جاؤ۔ میں اور ذوالفقار علی خان صاحب و دیگر حاضرینِ جلسہ وہاں سے برآمد ہوئے۔ حافظ احمد علی خاں شوقؔ (وزیر اعظم) اگرچہ اِس وقت ہمارے سخت مخالف ہیں اور اُس وقت بھی سخت مخالف تھے مگر انہوں نے اُس وقت آکر مجھے پیچھے سے اُٹھالیا اور کہنے لگے۔ قادیانی! گو میں تمہارے عقائد کے ساتھ متفق تو نہیں ہوں مگر آج تُونے اہلسنّت کی عزت رکھ دکھائی۔ کیونکہ نواب صاحب کے پاس جو بھی اہلسنّت والجماعت میں سے عالم تشریف لاتا تھا نواب صاحب کے مُنہ سے جو الفاظ نکلتے تھے خاموشی کے ساتھ سُن کر اُٹھ جاتا تھا اور کلمۂ حق زبان پہ نہیں لاتا تھا۔ آج تو نے اہلسنّت کی اچھی وکالت کی۔

دوسرے روز مولوی علی رضا اور مولوی انصار حسین دونوں نواب صاحب کے سامنے گریہ و زاری کرنے لگے کہ رامپور غرق ہوجائے گا، رامپور پر انگارے کیوں نہ برسیں گے؟ مولوی عبید اللہ نے حضور کے سامنے جناب امیرؑ کی نسبت کھُلے لفظوں میں کہہ دیا کہ جناب امیرؑ نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ چونکہ حضور کے صاحبزادے خاقان دولہا اور نواب دولہا مدرسہ میں تعلیم پاتے ہیں، عربی پڑھنے کے لئے مولوی عبید اللہ کے پاس جاتے ہیں یہ شخص اُن کے عقائد بگاڑ دیگا۔ نواب صاحب نے ارشاد فرمایا۔ ہاں اُن کو ملازمت سے الگ کردو۔ حافظ احمد علی خاں شوقؔ کہنے لگے کہ مدرسہ میں کورس پڑھانا ہے نہ کہ عقائد کی کتابیں۔ مولوی عبید اللہ ایسا نادان کہاں ہے کہ بچوں کے ساتھ ایسی

گفت گو شروع کر دے ۔ نواب صاحب نے کہا اچھا
رہنے دو۔

صبح مجھ کو صاحبزادہ عنایت حسین عرف انتہا میاں
نے جو مجھ سے فارسی اشعار کی اصلاح لیا کرتے تھے میرے
پاس آدمی بھیج کر بلوایا اور کہنے لگے ۔ مولوی صاحب آپ
نے بڑا غضب کیا ہے نواب صاحب کے روبرو آپ نے
یہ کہدیا کہ حضرت علیؓ نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ آپ
کو ایسا نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ نواب صاحب آپ سے بہت
ناراض ہیں۔ مَیں نے سُن کر استعفیٰ لکھا اور ہیڈ ماسٹر صاحب
کو دیا۔ استعفیٰ داخل کر کے نواب صاحب کے پھوپھا
صاحبزادہ چھٹن صاحب بہادر کے پاس گیا۔ وہ مولوی
عبدالحق صاحب خیرآبادی کے شاگرد رشید اور
معقولات میں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور مذہباً
اہلسنت والجماعت اور حنبلی المذہب کہلاتے تھے
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بڑے معتقد تھے۔
میں اُن کے پاس گیا اور کہا۔ خانہ آباد، دولت
زیادہ، ملکِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست
خاکسار اب خدمتِ والا سے رخصت ہوتا ہے۔ چھٹن
صاحب بہادر کہنے لگے آپ عجلت نہ کریں۔ آپ نے
اپنے مذہب کی ضرور پاسداری کی البتہ اتنی بات ہے
کہ تقریر کا لہجہ سخت تھا۔ خیر مَیں اس کو سلجھا لوں گا۔
آپ ہرگز جانے کا ارادہ نہ کریں۔

رات کے وقت صاحبزادہ عنایت حسین خاں
اور صاحبزادہ چھٹن صاحب بہادر دونوں نواب
صاحب کے مواجہ میں چوسر کھیلنے لگے۔ اتفاقاً
چھٹن صاحب کا پانسہ بھاری ہو گیا۔ انتہا خاں صاحب
سے کہنے لگے۔ انتہا میاں! تم بھی چلے اور تمہارے
استاد بھی چلے۔ نواب صاحب نے پوچھا انتہا میاں
کا کون استاد؟ چھٹن صاحب نے کہا عبیداللہ
بسمل۔ نواب صاحب نے کہا۔ ہاں پھوپھا صاحب
وہ تو خارجی ہے۔ وہ تو قادیانی بھی نہیں۔ قادیانی
بھی میرے خیال میں ایسا نہیں کہتے ہوں گے۔
چھٹن صاحب کہنے لگے وہ سٹھیا گیا ہے۔ تاریخیں
پڑھتے پڑھتے دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ یہاں حضور
کے ملازم عیسائی اور پارسی ہیں وہاں ایک ایسا
بھی سہی۔ یہ تو حضور کی معدلت شعاری کا نشان
ہے کہ اپنے مذہب کے مخالف کی پرورش فرماتے
ہیں۔ نواب صاحب نے کہا۔ اچھا چوسر اٹھا دو۔
ذوالفقار علی خاں صاحب کو بلاؤ اور عبیداللہ صاحب
کو بھی بلاؤ۔ خاکسار سے پہلے ذوالفقار علی خاں صاحب
نواب صاحب کی خدمت میں پہنچ چکے تھے جس وقت
خاکسار خدمتِ والا میں پہنچ کر آداب عرض کر کے
بیٹھ گیا۔ نواب صاحب نہایت غضب کی نگاہ سے
میری طرف دیکھنے لگے۔ مولوی عبیداللہ تمہیں کس
نے کہا تھا کہ [illegible] ناراض ہوں۔ مَیں نے عرض کیا پرسوں
رات کی تقریر سے میرے خود ذہن میں متبادر ہوا تھا
کہ میرے آقا غلام کی گستاخی سے ناراض ہو چکے
ہیں۔ فرمانے لگے۔ بے شک تم بہت گستاخ ہو۔
تم نے میرے سامنے یہ کہا کہ جناب امیر علیہ السلام
نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی۔ مَیں نے عرض کیا
کہ اگر میرا یہی عقیدہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام
نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی تو بے شک میرے
جیسا کوئی مرتد نہیں، کوئی ملحد نہیں۔ مَیں نے تو صرف
ایک اعتراض ایک سُنّی الاصل شخص کی طرف سے
پیش کیا اور اس کا امیدوار تھا کہ مولوی علی رضا اور
مولوی انصار حسین اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ نواب
صاحب کہنے لگے۔ کیا تمہارے خیال میں اس کا کوئی
جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ مَیں نے کہا کیوں نہیں اسکے

صدہا جواب ہو سکتے ہیں۔ میں تو جناب امیر علیہ السلام کے ایسے فضائل ثابت کر سکتا ہوں جیسے دو اور دو چار۔ کہنے لگے ہاں تمہارا خیال ہے دوسرا کوئی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ سنو میں جواب دیتا ہوں۔ چوبدار کی طرف اشارہ کر کے کہا مولوی انصار حسین اور مولوی علی رضا کو بلا لاؤ۔ جب وہ دونوں حاضر ہو گئے تو ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ دیکھو مولوی عبید اللہ کا خیال تھا کہ بس میں نے قلعہ فتح کر لیا۔ شیعہ مذہب کا کوئی آدمی اس کا جواب ہی نہیں دے سکتا۔ اُس وقت میری طبیعت کبیدہ تھی۔ میں نے جواب دینا پسند نہیں کیا تھا۔ سو تم منصف ہو کر میری باتوں کو سنو۔ جناب امیر علیہ السلام نے عمرو ابن ود کو مارا، مرحب کو مارا، خیبر فتح کیا، خندق فتح کیا، شیخین نے کس اونٹ کا کان چیرا ہے؟ مولوی عبید اللہ جواب دو! میں نے عرض کیا۔ یہ حقائقِ متحققہ ہیں، اظہر من الشمس، ابین من الامس اور بدیہی امور میں سے ہیں۔ کون بیوقوف ان کا انکار کر سکتا ہے۔ کہنے لگے کیا یہ خدمت فی الدین نہیں؟ میں نے کہا بے شک خدمت فی الدین ہے۔ کہنے لگے تو شیخین کی ایسی خدمت فی الدین تم پیش کرو۔ میں نے عرض کیا۔ پرسوں ہی کی رات کی تقریر سے عاجز خوفزدہ ہو گیا ہے بحالتِ خوف کہاں جرأت رکھتا ہوں کہ عرض کروں۔ کہنے لگے نہیں آزادی سے بیان کرو۔ میں نے کہا حضور آزادی کیسی؟ کہنے لگے میرے سر کی قسم بیان کرو۔ تم اطمینان رکھو، میں مذہبی معاملہ میں کسی کے ساتھ برا سلوک کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا تو پھر عرض کرتا ہے کہ اگر شیخین نے کسی اونٹ کا کان نہیں چیرا تو حضرت عیسیٰؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت زکریاؑ اور حضرت سموئیل نے کس اونٹ کا کان چیرا ہے بلکہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ خود نبی کریمؐ نے کس کو قتل کیا ہے۔ بلکہ اس پر ایک وحشی حمزہؓ کا قاتل معارضہ کریگا کہ میں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا ہے جو عمرو ابن ود اور مرحب سے زیادہ کافر تھا۔ کیونکہ انہوں نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ نواب صاحب کہنے لگے کیا کسی کافر کا قتل کرنا داخلِ فضیلت نہیں ہے؟ میں نے کہا ایک کافر کو مسلم کرنا اور مسلم کو مومن اور مومن کو باخدا بنانا داخلِ فضیلت ہے نہ کہ کافر کو قتل کرنا۔ ورنہ وحشی کو بھی افضل صحابہ سمجھا جائے۔

اس پہلو کو چھوڑ کر نواب صاحب فرمانے لگے تو اچھا جناب امیر علیہ السلام ابن عم رسولؐ خدا زوجِ بتولؑ ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا دریں چہ شک۔ فرمانے لگے کیا یہ فضیلت خاص کچھ کم ہے؟ میں نے کہا بڑی فضیلت ہے، اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔ کہنے لگے کیا شیخین کو یہ فضیلت حاصل تھی؟ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے بس اسی پر ٹھہر جاؤ تمہاری سب باتوں کا جواب ہو گیا۔ میں نے ہنس کر عرض کیا بے شک تسلی ہو گئی۔ میرے ہنسنے پر فرمانے لگے بڑا خبیث النفس ہے دل میں کچھ ہے ظاہر کچھ کرتا ہے۔ تیرے دل میں جو کچھ ہے بیان کر دے۔ میں نے کہا حضور میرے دل میں کیا ہوتا۔ کہنے لگے نہیں، کوئی اعتراض ہے تو بیان کر دے۔ میں نے کہا اتنی ہی بات ہے سائل یہ کہے گا کہ میں خدمت فی الدین کی نسبت پوچھتا ہوں اور جواب قرابتِ قریبہ سے دیا جاتا ہے اور وہ یہ کہے گا کہ فضل بن عباسؓ، قثم بن عباسؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عقیل ابن ابی طالب یہ چاروں معارضہ کرینگے کہ ہم بھی ابن عم رسولؐ اللہ ہیں اگر دامادِ رسولؐ ہونا ہی باعثِ فخر ہے تو ابو العاص بھی معارضہ کر سکتا ہے کہ میں بھی دامادِ رسولِؐ خدا ہوں۔ شاید حضور کہدینگے

کہ عثمانؓ داماد ہی نہیں تھا۔ مگر مورخ تو یہی لکھتے ہیں اور پھر وہی بات رہی کہ قرابت مندی کو خدمت فی الدین سے کیا تعلق؟ اس پہ فرمانے لگے تیرے دل سے نور ایمان جاتا رہا۔ میں نے تو کسی خارجی سے بھی ایسے الفاظ نہیں سُنے۔ اچھا تو نے یہ بات کہی تھی کہ حضرت عثمانؓ جامع القرآن ہیں۔ اس پر ذوالفقار علی خان صاحب فرمانے لگے نہیں جامع القرآن تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ نواب صاحب نے کہا میں عبیداللہ سے گفتگو کر رہا ہوں آپ اس میں دخل نہ دیں۔ جامع القرآن حضرت امیر علیہ السلام ہیں۔ آپؑ نے علیٰ ترتیب التنزیل قرآن کو جمع کیا تھا۔ کیا یہ فضیلت نہیں ہے۔ کیا اس کا بھی انکار ہے کہ یہ خدمت فی الدین نہیں ہے؟ میں نے کہا اگر پایۂ ثبوت تک پہنچ جائے تو بیشک بڑی فضیلت ہے۔ فرمانے لگے کیا تیرے نزدیک پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچی۔ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا معترض یہ اعتراض کرے گا کہ جناب امیر علیہ السلام نے وہ قرآن کہاں رکھا؟ کہنے لگے چونکہ صحابہؓ نے اس کو نامنظور کیا اسلئے آپ نے اہلبیت کو دیدیا۔ میں نے کہا اہلبیت نے کہاں رکھا؟ کہنے لگے نسلاً بعد نسلٍ ائمہ کے پاس چلا گیا۔ میں نے کہا اب کہاں ہے؟ کہنے لگے جناب صاحب الامر علیہ السلام (یعنی مہدی) کے پاس ہے جس وقت وہ خروج کریں گے اس وقت لوگ اس کی زیارت کریں گے۔ میں نے عرض کیا یہ قرآن جو بین ایدی الناس ہے یہ بھی منزل من اللہ ہے یا نہیں ہے؟ کہنے لگے ہاں ہے مگر مناقب اہلبیت کی جس قدر آیتیں تھیں عثمانؓ نے نکال ڈالیں۔ میں نے کہا اگر نکال ڈالیں تو انکا گناہ عثمانؓ کے ذمہ ہوگا کچھ انہوں نے بڑھایا تو نہیں؟ کہنے لگے بڑھایا نہیں گھٹایا ضرور ہے۔ میں نے کہا گھٹانے میں تو گفتگو نہیں ہے لیکن بڑھایا نہیں تو پھر یہ قرآن تو بڑا فیصلہ دیتا ہے۔ کہنے لگے کیا؟ حافظ احمد علیخان شوق بیٹھے ہوئے تھے میں نے حافظ صاحب کی طرف اشارہ کرکے کہا وہ آیت کس طرح ہے؟ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ۔ میں نے کہا آگے۔ حافظ صاحب نے پڑھ دیا۔ أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُونَ۔ میں نے دونوں کان ہاتھ سے پکڑ کر کہا توبہ! توبہ!! ایک آیت کے کتمان پر جب یہ وعید ہو تو میری زبان پہ انگارے پڑیں کہ میں کہوں جناب مہدی نے تمام قرآن کا کتمان کرلیا ہے۔ فرمانے لگے عبیداللہ بس! اب مجھ میں تیری بات سُننے کی تاب نہیں رہی۔ آج تو نے برسوں کی بات سے بھی زیادہ سخت کلامی کی ہے۔ مجھے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ تو خارجی گروہ میں سے ہوگیا ہے۔ کیا کہوں اگر تو نے جناب امیر کی سوانحعمری نہ لکھی ہوتی تو تیرا حشر جو کچھ ہوتا لوگ دیکھ لیتے۔ میں نے کہا بسر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے۔ حافظ احمد علی خاں کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگے اس بولنے کو فہمائش کر دو یہاں رامپور میں کوئی اس کو قتل کر دے گا پھر اس کی جماعت کے لوگ کہیں گے کہ جس طرح امیر کابل نے ایک قادیانی کو قتل کردیا ہے یہ قتل میرے ذمہ تھوپیں گے۔ حافظ احمد علیخان شوق کہنے لگے حضور! اس کا اعتقاد یہ نہیں ہے یہ بڑا حضرت امیرؑ کا مداح ہے۔ میں جانتا ہوں۔ کہنے لگے ہیں؟ عبیداللہ کیا جناب امیرؑ نے کوئی خدمت فی الدین نہیں کی؟ میں نے کہا کی اور بڑی اعلیٰ پایہ کی خدمت فی الدین کی۔ کہنے لگے وہ کونسی ایسی خدمت ہے؟ میں نے کہا ہے تو سہی میں عرض کر دیتا ہوں مگر

حضور تسلیم نہیں کریں گے۔ کہنے لگے وہ کونسی ایسی خدمت فی الدین ہے جو ہم شیعہ تسلیم نہیں کریں گے۔ میں نے کہا حضور وہ یہ ہے کہ حضرت امیرؑ نے کشف شہود اور علم باطن کا دروازہ امتِ محمدیہ کے منہ پر کھول دیا۔ حضرت جنیدؒ کہتے ہیں مرجعنا فی ھٰذا الباب علیّ ابن ابی طالب ہمارا مرجع اس باب میں یعنی تصوف اور سلوک میں علیؓ ابن ابی طالب ہے۔ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، شاذلیہ، مجددیہ، نقشبندیہ تمام سلاسل کی انتہا حضرت امیرؑ کی ذاتِ مقدس ہے۔ اور یہ فیض باطنی الیٰ یوم القیامہ امتِ محمدیہ میں جاری رہے گا۔ مگر حضرات شیعہ کہتے ہیں امام یازدہم حسن عسکری علیہ السلام تک پہنچکر ختم ہوگیا ہے۔ اور اب جناب صاحب الامر خروج فرماکر از سرِ نو اس کو زندہ کریں گے اور ان دوازدہ امام کے سوا کوئی شخص، کوئی متنفس خواہ کتنا ہی عابد زاہد ہو اس فیض باطنی کو حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ خاصہ دوازدہ امام ہے۔

نواب صاحب فرمانے لگے (مفہوم) تو پہلے اہلِ تشیع تھا اب قادیانی ہوگیا۔ ایسے متغیر اعتقاد والے کا کیا اعتبار ہے؟ میں نے کہا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جن کو اہلِ تشیع بھی اپنا پیشوا سمجھتے ہیں پہلے پارسی تھے، پھر یہودی ہوئے، پھر عیسائی ہوئے پھر مسلمان ہوئے۔ نواب صاحب بولے واہ کن بزرگوں سے اپنے آپ کو تشبیہ دیتا ہے۔ ان قادیانیوں کے پاس مثالیں گھڑی رہتی ہیں۔ پھر کہنے لگے اچھا تو نے کیا میرے ہی برخلاف کرنا تھا۔ میں نے کہا لوگ یہ نہ کہیں روٹی کے بدلہ شیعہ ہوگیا یا روٹی کے بدلہ سُنی ہوگیا۔ کہنے لگے ہاں میں جانتا ہوں تو طامع آدمی نہیں ہے۔ اسی لئے ارجح المطالب میں تو نے لکھا ہے کہ میں نے اس کے بدلے میں کسی سے کچھ لیتا نہیں۔ میں تو تجھی سے جانتا ہوں کہ تو خوشامد کرنے والا نہیں۔ یہ تجھ میں وصف ہے جسے میں پسند کرتا ہوں۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو اسے مُنہ بھی نہ لگاتا۔ اچھا جاؤ رخصت +

الفرقان کے خاص معاونین

محترم جناب بابو قاسم الدین صاحب امیر جماعت احمدیہ سیالکوٹ اور جناب بابو فضل الدین صاحب پنشنر کی سعی سے احبابِ ذیل نے الفرقان کی اعانت فرمائی ہے۔ جزاھم اللہ خیراً۔

(۱) چودھری نذیر احمد صاحب باجوہ ایڈووکیٹ سیالکوٹ	پانچ خریدار
(۲) میاں اللہ دتا صاحب صراف سیالکوٹ	تین خریدار
(۳) خواجہ عبد الرحمٰن صاحب بٹ " خواجہ محمد یعقوب صاحب	دو خریدار
(۴) چودھری ادریس نصر اللہ خان صاحب وکیل سیالکوٹ	ایک خریدار

ایجنسی!

مکرم جناب ملک سعادت احمد صاحب فرم "ملک جی برادرز" گول بازار ربوہ رسالہ اور مکتبہ الفرقان کے ایجنٹ ہیں وہاں سے رسالہ اور جملہ کتب طلب فرمائیں۔

(مینجر الفرقان)

حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بلا فصل کی حیثیت میں

حضرت علیؓ کی حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر رضامندی سے بیعت

حضرت علیؓ کا حضرت ابو بکرؓ سے دوستانہ سلوک اور شیعہ اصحاب کے لئے لمحۂ فکریہ

(از جناب قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری)

شیعہ صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے بعد خلیفہ ہونے کی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں وصیت فرمائی تھی لیکن (حضرت) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے ان کا یہ حق (معاذ اللہ) غصب کر لیا اور چند آدمیوں کے سوا باقی ساری اُمت اس سازش میں شریک ہو گئی اور اس نے حضرت ابو بکرؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد خلیفہ بلا فصل قبول کر لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے حق سے محروم کر دیئے گئے اور وہ صبر کر کے گھر میں بیٹھ گئے۔

مسلمانوں کے دوسرے فرقے شیعہ اصحاب کے خلاف اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں خلافت بلا فصل کی کوئی وصیت نہیں فرمائی تھی۔ بلکہ احادیث نبویہ میں ایسی وصیت کے بجائے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آپ کے بعد پہلے خلیفہ (خلیفہ بلا فصل) ہونے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دوسرا خلیفہ ہونے کی پیشگوئی موجود ہے۔ لہٰذا اُمت محمدیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بلا فصل خلیفہ تسلیم کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کسی وصیت کی خلاف ورزی نہیں کی۔ بلکہ ایک پیشگوئی کو پورا کیا ہے جو خود شیعہ لٹریچر میں موجود چلی آتی ہے۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی اپنے متعلق خلیفہ بلا فصل مقرر کئے جانے کی وصیت کا کوئی علم نہ تھا۔ اس لئے آپ نے ایسی وصیت کے اپنے حق میں موجود ہونے کا اُمت کے سامنے کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ علاوہ ازیں اگر ایسی کوئی وصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں موجود ہوتی تو ناممکن تھا کہ وہ اُمت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذریعہ ۲۳ سال کے لمبے عرصہ میں آپ کے فیض تربیت سے تیار ہوئی تھی اور جو آپ کے ہر حکم پر لبیک کہنے کو اپنی سعادت عظمیٰ یقین کرتی تھی وہ ساری کی ساری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی اہم وصیت کو آپ کی وفات کے بعد فراموش کر دیتی۔ اور کوئی ایک شخص بھی اُن میں سے کھڑا ہو کر علی الاعلان یہ نہ کہتا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بلا فصل خلیفہ ہونے کی وصیت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمائی ہے۔ آخر ساری اُمت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا دشمنی ہو سکتی تھی کہ وہ ان کی بلا فصل خلافت کو

ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی وصیت موجود ہونے کی صورت میں غصب کرنے کیلئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہو جاتی؟ اور بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی رضامندی سے خلیفہ تسلیم کر لیتے؟

اس مقالہ میں ہم اس امر کا جائزہ لینا چاہتے ہیں کہ ہر دو قسم کے مندرجہ بالا خیالات میں سے کون سا خیال از روئے تحقیق صحیح اور درست ہے۔ چونکہ اس بارہ میں اہم امر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے۔ اس لئے شیعہ اصحاب کی طرف سے جو روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کے متعلق وصیت کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔ ہم اس کے متعلق روایت اور درایت کے مسلمہ اصول کے لحاظ سے اپنی تحقیق ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ ہمیں نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کوئی طرفداری مطلوب ہے نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ہمیں کوئی عداوت و نفرت ہے۔ بلکہ ہم دونوں بزرگواروں سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں سے ہمارے پیارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت تھی۔ اسی لئے ان دونوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مناقب بیان فرمائے ہیں۔

شیعوں کی پیش کردہ روایت

وہ روایت جو شیعہ اصحاب کی طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حق میں خلافت بلافصل کے متعلق وصیت کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے اس کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم پر ایک خطبہ ہزارہا مسلمانوں کے مجمع میں دیا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا:۔

مَنْ کُنْتُ مَولَاہُ فَعَلِیٌّ مَولَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ۔

کہ جس کا میں مولیٰ ہوں علی بھی اس کا مولیٰ ہے۔ اے اللہ جو شخص علی سے محبت رکھے تو اس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو اس سے عداوت رکھ۔"

بلحاظ سند روایت کی تحقیق

ہماری تحقیق میں سند کے لحاظ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ چنانچہ نہ حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی صحیحین میں اس حدیث کو بوجہ ضعف روایت درج کیا ہے۔ نہ ہی سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں اس حدیث کا کوئی ذکر موجود ہے۔ البتہ ترمذی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو بتغیر الفاظ اپنی کتابوں میں لیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اسے "حسنٌ غریبٌ" قرار دیا ہے۔ گویا امام ترمذی نے سند کے لحاظ سے اسے ایسی احاد روایات میں سے قرار دیا ہے جس کی تائید کسی دوسری روایت سے نہیں ہوتی۔ حالانکہ اگر حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہزارہا مسلمانوں کے مجمع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے ہوتے تو انہیں کئی راوی روایت کرتے اور ایسی روایت تواتر کے مرتبہ پر پہنچی ہوئی ہوتی۔ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی امامت اور خلافت بلافصل کے اختلافی مسئلہ کے ثبوت میں ایسی کمزور روایت کو بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ احادیث کے ذریعہ کسی اہم عقیدہ کو قوی اور صحیح احادیث کے ذریعہ ہی اختیار کیا جا سکتا

ہے جن میں تواتر لفظی بلحاظ سند ہو یا کم از کم تواتر معنوی ضرور موجود ہو۔ زیر بحث روایت کے متعلق شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے:۔

" اما قوله مَن کُنتُ مولاہُ فعلیٌّ مولاہُ فلیس فی الصحاح لکن هو مما رواہُ العلماءُ و تنازع الناسُ فی صحتہٖ۔ فنُقِلَ عن البخاری و ابراهیم الحربی وطائفۃٍ من اهل العلم بالحدیث اَنّهم طَعَنُوا فیہِ وضَعَّفُوہُ۔ قال ابو محمّد بن حزم واَمّا مَن کنتُ مولاہ فعلیٌّ مولاہُ فلا یصحّ عن طریقِ الثقاتِ"

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول " من کنتُ مولاہُ فعلیٌّ مولاہُ" صحیح حدیثوں میں موجود نہیں لیکن وہ اس قسم کی حدیثوں میں سے ہے جنہیں علماء نے روایت کیا ہے۔ اور لوگوں نے اس کی صحت میں جھگڑا کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری اور ابراہیم الحربی اور علمائے حدیث کے ایک گروہ کے متعلق یہ منقول ہے کہ انہوں نے اس حدیث میں طعن کی ہے اور اسے ضعیف ٹھہرایا ہے اور امام ابو محمد ابن حزم نے کہا ہے کہ مَن کنت مولاہ فعلیٌّ مولاہ معتبر راویوں کے طریق سے ثابت نہیں۔"

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" الطاعنون فی صحتہٖ جماعۃٌ من ائمۃِ الحدیثِ وعدولِہ المرجوع الیهم فیہ کابی داؤد السجستانی وابی حاتم الرازی"

کہ اس حدیث کی صحت میں طعن کرنے والی ائمۂ حدیث کی ایک معتبر جماعت ہے۔ جن کی طرف حدیث میں رجوع کیا جاتا ہے جیسے ابوداؤد السجستانی اور ابوحاتم رازی۔"

اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ سند کے لحاظ سے یہ روایت احاد روایات میں سے ہے اور مجروح ہے۔ پس جس حدیث کا یہ حال ہو اس پر خلافت بلافصل جیسے اہم مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

بلحاظ درائت روائت کی تحقیق

جب ہم درایت کے اصول کی روشنی میں اس حدیث پر غور کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خلافت بلافصل کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ بلکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ حضرت علیؓ سے بھی محبت رکھے۔ مولیٰ کا لفظ اس حدیث میں صرف دوست اور پیارے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ حدیث من کنتُ مولاہُ فعلیٌّ مولاہُ سے اگلے دعائیہ الفاظ اللّٰھم والِ مَن والاہ وعادِ مَن عاداہُ (اے اللہ اس سے محبت کر جو علیؓ سے محبت کرے اور اس کا دشمن ہو جو علیؓ سے دشمنی رکھے) اس بات پر قوی قرینہ ہیں کہ اس حدیث میں مولیٰ کا لفظ صرف اور صرف پیارے اور محب کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے

مولیٰ کے لفظ کے عربی زبان میں کئی معنی ہیں۔ اس کے معنی مالک اور سید کے بھی ہیں۔ آزاد کردہ غلام کے بھی اور محب اور پیارے کے معنی بھی ہیں۔ اس حدیث میں مولیٰ کا لفظ حاکم کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ من کنتُ مولاہُ فعلیٌ مولاہُ عربی ترکیب کے لحاظ سے جملہ اسمیہ ہے جو استمرار کا فائدہ دیتا ہے۔ اسلئے مولیٰ کے معنی اس جملہ میں حاکم لیکر اس فقرہ کے یہ معنی بن جاتے کہ جن کا میں حاکم ہوں۔ دم نقد حضرت علیؓ بھی ان کے حاکم ہیں۔ حالانکہ یہ بات شیعہ صاحبان بھی نہیں مانتے کہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ویسے ہی حاکم تھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت پر حاکم تھے۔ اور اس فقرہ کے یہ معنی بھی نہیں ہو سکتے کہ میرے بعد حضرت علیؓ ان کے حاکم ہونگے۔ تا اسے خلافت پر دلیل ٹھہرایا جاسکے۔

اگر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حق میں خلافت و امامت بلا فصل کی وصیت کرنا مقصود ہوتا تو آپؐ افصح العرب تھے۔ کیا اس مضمون کو واضح کرنے کے لئے آپؐ کو کوئی ایسا موزوں لفظ زبانِ عربی میں نہیں مل سکتا تھا جو متعدد المعنی نہ ہوتا۔ اور خلافت و امامت کیلئے اپنے معنوں میں بالکل واضح ہوتا۔ نیز اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس لفظ کو استعمال کرتے ہوئے جملہ اسمیہ کی بجائے جملہ فعلیہ میں کلام فرماتے آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مولیٰ کا لفظ کیوں اختیار کیا جو کئی معنی رکھتا ہے۔

یاد رہے کہ جب ایک لفظ کثیر المعنیٰ ہو تو زبان عربی بلکہ ہر زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر اس لفظ کو کوئی فصیح اور بلیغ انسان استعمال کرے تو پھر وہ اپنی عبارت میں کوئی ایسا قرینہ قائم کر دیتا ہے جو ان بہت سے معنوں میں سے ایک خاص معنیٰ کی تعیین کر دیتا ہے حدیث زیر بحث کی عبارت میں "مَن کنت مولاہُ فعلیٌّ مولاہُ" کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دُعا فرمانا "اَللّٰھم وَالِ مَن والاہُ وعادِ مَن عاداہُ" کہ اے اللہ اس سے محبت کر جو علیؓ سے محبت کرے اور اس سے دشمنی کر جو علیؓ کا دشمن ہو، اس بات کے لئے قوی قرینہ ہے کہ اس حدیث میں مولیٰ کا لفظ پیارے اور دوست کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے کیونکہ مولیٰ اور موالات دونوں لفظ ایک ہی مصدر سے ماخوذ ہیں۔ پس جب لفظ مولیٰ بلحاظ لغت دوست اور پیارے کے معنی بھی رکھتا ہے اور ان معنوں کے لئے خود عبارت میں قوی قرینہ بھی موجود ہے تو پھر اس قرینہ کو نظر انداز کرتے ہوئے مولیٰ کو حاکم کے معنوں میں لینا کیسے درست ہو سکتا ہے جبکہ جملہ اسمیہ کی ترکیب بھی مولیٰ کے لفظ کو حاکم کے معنوں میں لینے کے خلاف قوی دلیل ہے۔ پس مولیٰ کا لفظ اس حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی خلافت بلا فصل کی نص نہیں بن سکتا۔ بلکہ یہ لفظ صرف آپ سے محبت کئے جانے کی ہدایت پر مشتمل ہے۔

حدیث کا پس منظر

ماسوا اس کے اس حدیث کا پس منظر بھی دیکھا جائے تو وہ اس امر پر روشن دلیل ہے کہ اس حدیث میں مولیٰ کا لفظ دوست اور محب کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بعض لوگوں کو بغض تھا جس کا ان کی طرف سے موقعہ بموقعہ اظہار بھی ہو جاتا تھا چنانچہ

امام بخاری علیہ الرحمۃ صحیح بخاری میں ایک روایت لاتے ہیں جو حجۃ الوداع سے پہلے کی ہے یہ روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

حدثنی محمد بن بشار حدثنا
روح بن عبادۃ حدثنا علیّ
بن سوید عن منجوف عن عبداللّٰہ
بن بریدۃ عن ابیہ رضی اللّٰہ
عنہ قال بعث النبی صلی اللّٰہ
علیہ وسلم علیًّا الی خالد
لیقبض الخمس وکنت ابغض
علیًّا وقد اغتسل فقلت
لخالد الا ترٰی الی ھذا فلما
قدمنا علی النبی صلی اللّٰہ
علیہ وسلم ذکرتُ ذٰلک لہٗ
فقال یا بریدہ اُتُبغِضُ
علیًّا فقلتُ نعم فقال
لا تُبغضہ فان لہٗ فی الخمس
اکثر من ذٰلک ۔ (صحیح بخاری
جلد ۳ صفحہ ۵ مطبوعہ مصر بعث علی ابن
ابی طالب وخالد ابن الولید
رضی اللّٰہ عنہما الی الیمن قبل
حجۃ الوداع)

یعنی بریدہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو خالدؓ بن الولید کی طرف بھیجا تاکہ خمس کے مال پر قبضہ کریں۔ اور بریدہ کہتے ہیں میں علیؓ سے بغض رکھتا تھا۔ حضرت علیؓ نے غسل کیا (یعنی ایک لونڈی سے مباشرت کرکے۔ ناقل) تو میں نے خالدؓ سے کہا تم اس شخص کے طریق کو نہیں دیکھتے (یعنی ان کے طریق کو ناپسند کیا۔ ناقل) پھر جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو میں نے اس واقعہ کا آپؐ سے ذکر کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ اے بریدہ! کیا تم علی سے بغض رکھتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ تو اس پر آپؐ نے فرمایا علی سے بغض نہ رکھو کیونکہ اس کا خمس کے مال میں اس سے زیادہ حق ہے۔"

صحیح بخاری کی اس روایت میں جس واقعہ کا ذکر ہے اسے اس روایت میں بہت اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل اسماعیلی کی روایت میں صحیح بخاری کی شرح فتح الباری سے یوں معلوم ہوتی ہے کہ خمس کے مال میں سے ایک لونڈی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے چن لی۔ بریدہؓ اور خالدؓ نے اس تقسیم کو ناپسند کیا۔ اور احمد کی روایت میں ابن عبد الجلیل عن عبد اللہ بن بریدہ عن ابیہ کے طریق سے مروی ہے کہ وہ لونڈی سب سے اچھی تھی۔ خمس تقسیم کرنے کے بعد آپ باہر نکلے تو ان کے سر سے (غسل کا) پانی ٹپک رہا تھا۔ راوی نے پوچھا تو حضرت علیؓ نے کہا۔ میں نے اس لونڈی سے مباشرت کی ہے۔

بہرحال حضرت خالدؓ اور بریدہؓ نے حضرت علیؓ کے اس فعل کو ناپسند کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ابو جہل مشہور دشمن اسلام کی بیٹی سے نکاح کے لئے آمادہ ہوجانا بھی مسلمانوں میں ان سے نفرت پیدا ہوجانے میں بہت بڑا دخل رکھتا تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس آمادگی کو سخت ناپسند فرمایا تھا۔ اور اس بات کا علم ہوجانے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منبر پر چڑھ کر خطاب

فرمایا کہ آپ اس نکاح کی اجازت نہیں دے سکتے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے:۔

"حدّثنا قتیبة حدّثنا اللیث عن ابن ابی ملیکة عن المسور بن مخرمة قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول و هو علی المنبر ان بنی هشام بن المغیرة استاذنوا فی ان ینکحوا ابنتهم علی بن ابی طالب فلا آذن ثم لا آذن ثم لا آذن الا ان یرید ابن ابی طالب ان یطلّق ابنتی و ینکح ابنتهم فانّما هی بضعة منّی یریبنی ما ارابها و یؤذینی ما آذاها هکذا قال" (باب ذب الرجل عن ابنته فی الغیرة و الانصاف۔ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۷۱ مطبوعہ مصر)

یعنی مسور بن مخرمہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ کہتے سُنا کہ بنی ہشام بن المغیرہ نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی علی بن ابی طالب کے نکاح میں دیدیں۔ پس میں اجازت نہیں دیتا پھر میں اجازت نہیں دیتا۔ پھر میں اجازت نہیں دیتا بجز اس صورت کے کہ علی بن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیدے اور ان کی بیٹی سے نکاح کرے۔ کیونکہ فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے اس لئے جو امر اسے متردد کرے وہ مجھے بھی متردد کرتا ہے۔ اور جو امر اسے دُکھ دے وہ مجھے بھی دُکھ دیتا ہے۔ اس قسم کے الفاظ آپ نے فرمائے۔

پھر یہی راوی یہ بھی بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں فرمایا:۔

اتخوّف ان تفتن فی دینها ثمّ ذکر صهراً له من بنی عبد شمس فاثنی علیه فی مصاهرته ایاه

کہ میں ڈرتا ہوں کہ فاطمہ اپنے دین (یعنی اطاعت خاوند) کے معاملہ میں فتنہ میں پڑے پھر آپ نے بنی عبد شمس میں سے اپنے ایک داماد کی تعریف فرمائی اور بتایا کہ اس نے ان تعلقات کو نہایت اچھے طور پر نبھایا ہے"

اور یہ بھی فرمایا:۔

انّی لستُ اُحَرِّمُ حلالًا ولا اُحلّ حرامًا ولٰکن واللهِ لا تجتمعُ بنتُ رسول الله و بنتُ عدوّ الله ابداً۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۲۵ مطبوعہ مصر)

کہ میں کسی حلال امر کو حرام نہیں ٹھہراتا۔ اور نہ کسی حرام امر کو حلال ٹھہراتا ہوں لیکن اللہ کی قسم رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں"

اس خطبہ کو سُننے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گونہ ناراضی کا پیدا ہو جانا ایک

طبعی امر تھا۔ لہٰذا جو نفرت مسلمانوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ سے پیدا ہو چکی تھی۔ معلوم ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معاملات سلجھا دینے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم پر مسلمانوں کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کو بحال کرانے کے لئے من کنت مولاہ فعلیٌّ مولاہ کے الفاظ فرمائے تھے۔ آپ نے اس جگہ مسلمانوں کو ان سے محبت رکھنے کی تلقین کی ہے ورنہ غدیر خم والی حدیث کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

اگر اس حدیث کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل سے بھی کوئی تعلق ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی تو یہ سمجھتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کی وصیت فرمائی ہے۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہؓ میں سے کوئی تو یہ آواز اٹھاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت بلافصل کی وصیت غدیر خم پر کر دی ہوئی ہے لہٰذا اب آپ کو کسی اور شخص کو خلیفہ انتخاب کرنے کا کوئی حق نہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی جانوں اور مالوں کی قربانی میں پیش پیش رہا کرتے تھے کوئی ایک شخص بھی نہ اٹھا کہ کسی ایسی وصیت کی یاد دہانی کرائے کیونکہ در اصل کوئی ایسی وصیت ان کے نزدیک موجود ہی نہیں تھی۔

حضرت علیؓ کو ایسی وصیت کا کوئی علم نہ تھا

علاوہ ازیں خود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جن کے حق میں شیعہ اصحاب نے خلافت بلافصل کی وصیت کیا جانے کا نظریہ قائم کر رکھا ہے اس بات سے بالکل ناواقف تھے کہ غدیر خم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق خلافت بلافصل کی وصیت فرمائی تھی۔ اگر وہ اس بات سے واقف ہوتے یا اس حدیث کا یہ مفہوم سمجھے ہوتے تو غدیر خم کا یہ واقعہ پیش کر کے اپنے بلافصل خلیفہ مقرر کیا جانے کا حق جتاتے کیونکہ وہ اس واقعہ کے وقت خود وہاں موجود تھے۔ مگر آپ کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہونے پر اپنا ایسا حق جتانے کا کہ میرے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم پر خلافت بلافصل کی وصیت فرمائی تھی کوئی ثبوت موجود نہیں۔ بلکہ واقعات اس بات پر گواہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زمانہ تک وہ یہ امر ہرگز نہیں جانتے تھے کہ آپ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلافت بلافصل کی کوئی وصیت فرما چکے ہوئے ہیں۔ چنانچہ شرح نہج البلاغۃ میں ابن ابی الحدید شیعی ایک روایت یوں درج فرماتے ہیں:-

عن عبد اللہ ابن عباس قال خرج علیٌّ علی الناس من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ فقال لہ الناس کیف اصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اباحسن قال اصبح بحمد اللہ بارئًا قال فاخذ العباس بید علی ثم قال یا علی انت عبد العصا بعد ثلاث احلف لقد رأیت الموت

فی وجهه وانی لاعرف الموت فی وجوه بنی عبد المطلب فانطلق الی رسول اللہ تعالیٰ فاذکر لہ ھذا الامر ان کان فینا اعلمنا وان کان فی غیرنا اوصیٰ بنا فقال لا افعل واللہ ان منعنا الیوم لا یؤتیناہ الناس من بعدہ قال توفی رسول اللہ ذالک الیوم۔ (شرح نہج البلاغہ جزو ۲ صفحہ)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ان کی بیماری کے زمانہ میں لوگوں کے پاس آئے تو لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ اے ابا حسن! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا الحمد للہ آپ اچھے ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر لے گئے اور ان سے کہا کہ اے علی! تم تین دن کے بعد لاٹھی کے غلام بن جانے والے ہو (یعنی دوسروں کے ماتحت ہو جاؤ گے) میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ میں موت (کے آثار) کو پایا ہے اور میں موت (کے آثار کو) عبدالمطلب کی اولاد کے چہروں میں پہچان لیا کرتا ہوں لیں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور ان سے اس امر (خلافت) کا ذکر کرو کہ اگر یہ امر ہم میں سے (کسی کے سپرد کیا جانے والا) ہے تو ہمیں بتادیں اور اگر ہمارے غیر میں (جانے والا) ہے تو ہمارے لئے وصیت فرمادیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم میں ایسا نہیں کرونگا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج اس امر (خلافت) سے ہمیں محروم کر دیا تو لوگ ہمیں اس کے بعد کبھی خلافت نہیں دیں گے۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دن وفات پا گئے۔"

اس روایت سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو غدیر خم پر خلافت بلافصل کی وصیت کئے جانے کا کوئی علم نہ تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت بلافصل کی وصیت کی ہوتی تو پھر حضرت عباس رضی اللہ

کو اس کا علم ہوتا۔ اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو
اس وقت امر خلافت کا فیصلہ کرانے کا مشورہ نہ
دیتے۔ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے حق میں غدیر خم
پر خلافت بلافصل کی وصیت کئے جانے کا علم ہوتا
تو انہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ جواب دینے
کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ میں اس غرض کے لئے
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں جاؤں گا۔
کیونکہ اگر آپ نے آج ہمیں امر خلافت سے محروم
کردیا تو لوگ کبھی ہمیں خلافت سپرد نہیں کریں گے۔
اگر انہیں ایسی وصیت کا اپنے متعلق علم ہوتا تو
انہیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ جواب دینا
چاہیئے تھا کہ اے چچا آپ جانتے ہیں کہ میرے
متعلق غدیر خم پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ہزاروں مسلمانوں کے مجمع میں اپنے بعد خلیفہ ہونے
کی وصیت فرمادی ہوئی ہے لہذا اب اس امر
خلافت کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
دریافت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت علی
رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ اگر آج آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے ہمارے حق میں خلافت کا فیصلہ نہ فرمایا
تو لوگ کبھی ہمیں خلیفہ نہ بنائیں گے‘ اس امر کی قطعی دلیل
ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے متعلق غدیر خم پر
خلافت کی وصیت کئے جانے کا کوئی علم نہ تھا۔
اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر
آپ کی خلافت بلافصل کی ہرگز وصیت نہیں فرمائی
تھی۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر
ایسی وصیت کی ہوتی تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو یہ خطرہ نہیں ہوسکتا تھا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے امر خلافت ہمارے سپرد نہ کیا تو لوگ
کبھی ہمیں خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ انہیں تو تسلی ہونی
چاہیئے تھی کہ میرے متعلق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
پہلے سے خلافت بلافصل کی وصیت فرماچکے ہوئے
ہیں اسلئے اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے
کسی اور شخص کے متعلق وصیت کرنے کی کوئی وجہ نہیں
ہوسکتی۔ یہ واقعہ اس امر پر روشن قطعی اور یقینی
دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں غدیر خم
پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت بلافصل کی
کوئی وصیت نہیں کی تھی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے نزدیک بھی "من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ"
کے الفاظ امر خلافت کی وصیت پر مشتمل نہ تھے بلکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ صرف لوگوں
کے دلوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نفرت
اور ناراضگی دور کرنے کے لئے فرمائے تھے مولیٰ
کا لفظ آپ نے اس جگہ صرف پیارے اور دوست
کے معنوں میں استعمال فرمایا ہے۔

حضرت علیؓ کی حضرت ابوبکرؓ سے برضا ورغبت بیعت

ماسوا اس کے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے
متعلق خلیفہ بلافصل کی وصیت کئے جانے کا دعویٰ
رکھتے تو پھر وہ کبھی بھی اپنی مرضی سے حضرت ابوبکر
رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرتے۔ اور ان کے زمانہ
میں پیدا شدہ حوادث میں ان کا ساتھ نہ دیتے۔ مگر
حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ایک خطبہ میں جو شیعوں
کی مشہور اور معتبر کتاب منار الہدیٰ مؤلفہ شیخ
علی البحرانی کے ص ۳۷۳ پر درج ہے فرماتے ہیں:۔

فلما مضی (صلی اللہ علیہ وسلم)
لسبیلہ تنازع المسلمون
الامر بعدہٗ فواللہ ما کان
یُلقیٰ فی روعی ولا یخطر ببالی

انّ العرب تعدل هٰذا الامر
بعد محمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم
عن اهل بیته ولا انهم
منحوه عنی فما راعنی الا
انثیالُ الناس علی ابی بکرٍ
واجفالهم الیه لیبایعوه فامسکتُ
یدی ورأیتُ انّی احقّ بمقام
محمدٍ فی الناس ممّن تولّی
الامر من بعده فلبثت بذلك
ما شاء اللہ حتی رأیتُ راجعة
من الناس رجعت عن الاسلام
تدعو الی محق دین اللہ وملّة
محمدٍ فخشیتُ ان لم انصر
الاسلام واهلهٗ ان اری
فیها ثلمًا وهدمًا یکون
المصاب بهما علیَّ اعظم
من فوت ولایة امورکم التی
هی متاع ایامٍ قلائل ثم
تزول وما کان منها کما یزول
السرابُ وکما ینقشع السحابُ
فمشیتُ عند ذلك الی ابی بکرٍ
فبایعتهٗ ونهضتُ فی تلك
الاحداث حتی زاغ الباطل
وزهق وکانت کلمة اللہ هی العلیا
ولو کره الکافرون فتولّی ابوبکرٍ
تلك الامورَ وسدّدَ وقاربَ
واقتصدَ وصحبتهٗ مناصحًا لهٗ
واطعتهٗ فی ما اطاع اللہ فیه
جاهدًا وما طمعتُ ان لو
حدث به حدث وانا حیٌّ
ان یردّ الیّ الامر الذی بایعتهٗ
فیه طمع مستیقنٍ ولا
یأستُ منه یأس من لا
یرجوهُ ولولا خاصة ما کان
بینهٗ وبین عمر ظننتُ
انه لا یدفعها عنی فلمّا
احتضر بعث الی عمر فولّاهُ
فسمعنا واطعنا وناصحنا
وتولّی عمر الامر فکان عمر
مرضیّ السیرة میمونَ النقیبة
(بلفظه بقدر الحاجة)

ترجمہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے
تو مسلمانوں نے آپ کے بعد امر خلافت
میں جھگڑا کیا۔ اللہ کی قسم میرے دل میں
یہ نہیں آتا تھا کہ عرب کے لوگ خلافت
کے امر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
بعد اہل بیت کے سوا کسی اور طرف
لے جائیں گے اور نہ کبھی یہ خیال ہوا کہ
وہ مجھے اس سے محروم کر دیں گے۔ کہ
اچانک مجھے یہ دیکھ کر گھبراہٹ
پیدا ہو گئی کہ لوگ حضرت ابوبکرؓ پر
ٹوٹے پڑتے ہیں اور ان کی طرف تیزی سے
جا رہے ہیں تاکہ ان کی بیعت کریں پس
میں نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ حالانکہ میں
ان لوگوں سے جن کے سپرد آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا امر ہوا
آنحضرتؐ سے اپنے مقام کی وجہ سے زیادہ
حقدار تھا میں جب تک اللہ تعالیٰ نے

جاتا ایسی حالت میں رہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ کچھ گروہ اسلام سے برگشتہ ہو رہے ہیں اور خدا کے دین اور ملّتِ محمدؐ کو مٹانے کی دعوت دے رہے ہیں تو میں ڈرا کہ اگر اب بھی میں نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد نہ کی اور اس میں کوئی رخنہ اور گڑاوٹ پیدا ہو گئی تو ان باتوں کی وجہ سے جو مصیبت مجھے پہنچے گی وہ تم پر حکمرانی کے کھو جانے سے زیادہ سخت ہو گی۔ ولایت تو ایک چند دن کا سامان ہے۔ پھر وہ اس طرح جاتی رہتی ہے کہ اس کا کچھ باقی نہیں رہتا۔ جس طرح سراب جاتا رہتا ہے یا جس طرح بادل پھٹ جاتا ہے۔ پس اس وقت میں خود چل کر ابوبکرؓ کے پاس گیا اور اس کی بیعت کر لی اور ان حوادث کا یہاں تک مقابلہ کیا کہ باطل راہ سے ہٹ گیا اور بھاگ گیا اور خدا تعالےٰ کا کلمہ بلند ہوا خواہ کافر اسے ناپسند کریں۔ ابوبکرؓ ان امور کے والی رہے اور انہوں نے درستی، اعتدال اور میانہ روی کا طریق اختیار کیا اور میں خیر خواہی سے ان کا دوست رہا۔

اور ان امور میں جن میں انہوں نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی ان کا کوشش سے فرمانبردار رہا اور مجھے کبھی طمع پیدا نہ ہوئی کہ ابوبکرؓ کو کوئی حادثہ پہنچے اور امرِ خلافت جس کی میں نے بیعت کی ہے میری طرف لوٹ آئے۔ میں نے یہ طمع ایک یقین رکھنے والے شخص کی طرح نہیں کیا (کہ خلافت مجھے ضرور ملے گی۔ ناقل) اور نہ میں (آئندہ خلافت ملنے سے۔ ناقل) ایسے شخص کی طرح مایوس ہوا جو اس سے بالکل نا امید ہو۔ اور اگر ابوبکرؓ اور عمرؓ میں وہ خاص تعلقات نہ ہوتے جو موجود تھے تو میرا گمان ہے کہ ابوبکرؓ خلافت میرے سوا کسی اور کو نہ دیتے۔ جب ابوبکرؓ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے عمرؓ کو بلا بھیجا اور اسے والی مقرر کر دیا۔ ہم نے عمرؓ کی باتوں کو سنا اور ان کی اطاعت کی۔ حضرت عمرؓ والی رہے ان کی سیرت پسندیدہ تھی اور وہ قابلِ تعریف اور مبارک عقل ورائے و تجربہ والے تھے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ سے ظاہر ہے کہ گو حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل بیت میں سے ہونے کی وجہ سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ اہل سمجھتے تھے۔ اور ان کا یہ بھی خیال تھا کہ لوگ اہل بیت کے سوا امر خلافت کسی کے سپرد نہیں کریں گے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ لوگوں نے آگے بڑھ بڑھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے تو وہ اپنے اس حق کو ظاہر کرنے سے رُک گئے اور کچھ عرصہ تک رُکے رہے۔ پھر جب دیکھا کہ کئی لوگ اسلام سے مرتد ہو رہے ہیں اور وہ دین و ملت کو مٹانے کے درپے ہیں تو انہوں نے اپنی خلافت کے امر کو نصرتِ اسلام و نصرتِ مسلمین کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت نہ دیتے ہوئے بلکہ اسے چند دن کا متاع سمجھتے ہوئے ان حوادث کے مقابلہ کا عزم بالجزم کر لیا اور خود جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی (گویا ان سے کسی شخص نے بیعت بزور نہیں کرائی بلکہ صرف نصرتِ اسلام و مسلمین کے جذبہ کی وجہ سے انہوں نے خود جا کر بیعت کر لی) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے خلافت کے امر کو نہایت عمدگی، اعتدال پسندی اور میانہ روی سے چلایا اور میں ان کا خیر خواہی کے ساتھ دوست رہا اور ان کے احکام کی کوشش کے ساتھ اطاعت کرتا رہا۔ اور مجھے کبھی یہ طمع پیدا نہ ہوئی کہ انہیں کوئی حادثہ پہنچے اور خلافت مجھے مل جائے۔

اگرچہ مسلمانوں کے دوسرے فرقے اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی اتنا خیال بھی ظاہر نہیں کیا کہ میں خلافت کا سب سے زیادہ اہل تھا لیکن شیعہ اصحاب کی اس روایت کے مطابق اگر فرض بھی کر لیں کہ وہ اپنے آپ کو اہل بیت میں سے ہونے کی وجہ سے خلافت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتے تھے لیکن لوگوں نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور وہ پہلی خلافت حاصل کرنے سے محروم رہے مگر بہرحال یہ تو ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ وہ اپنے متعلق غدیر خم پر خلافت کی وصیت کئے جانے کا کوئی علم نہیں رکھتے تھے۔ ورنہ وہ اپنی مرضی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کبھی نہ کرتے اور نہ ان کی خیر خواہی اور دوستی کا دم بھرتے اور نہ ان کی مدح میں یوں رطب اللسان ہوتے کہ ان کی خلافت کے کاموں میں سداد، اعتدال اور میانہ روی پائی جاتی تھی۔ اور نہ وہ کوشش سے ان کی اطاعت کرتے جیسا کہ انہیں اعتراف ہے کہ انہوں نے کوشش سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کی بلکہ انہیں یہ طمع دامنگیر رہتی کہ کوئی حادثہ آئے تو ابوبکرؓ تباہ ہوں اور امر خلافت مجھے مل جائے مگر ان کا ایسا طمع کرنے سے صاف انکار ان کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بے لوث فرمانبرداری کا ایک واضح اور روشن ثبوت ہے۔

شیعہ اصحاب کے لئے لمحۂ فکریہ

اس واقعہ اور بیان میں شیعہ اصحاب کے لئے ایک لمحۂ فکریہ کا سامان موجود ہے کہ انہیں مسلمانوں کے دوسرے فرقوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہی رواداری کا طریق اختیار کرنا چاہیئے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں سے اختیار کیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے برأت کا اظہار کرنے کی بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کی خلافت کے کاموں کو عمدگی،

اعتدال اور میانہ روی پر مشتمل یقین کرنا چاہیئے۔ اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمودہ کے موافق پسندیدہ خصلت والے اور بابرکت رائے والے یقین کرنا چاہیئے۔ اور جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے خیر خواہ دوست رہے اسی طرح ان دونوں بزرگوں کی خیر خواہی کا دم بھرنا چاہیئے۔

اگر شیعہ اصحاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل کو خضرِ راہ بنائیں تو خلافت کے مسئلہ میں شیعہ سنی اختلاف بالکل موقوف ہو جاتا ہے۔ اور ان میں اور دوسرے فرقوں میں محبت کی ایسی لہر پیدا ہو سکتی ہے جو پاکستان کی سالمیت کے لئے ازبس ضروری ہے۔

شیعہ اصحاب کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کے اس خطبہ کے رُو سے ان کی خلافت کا امر محض ایک وقتی معاملہ تھا جو سراب کی طرح زائل ہو جانے والا تھا۔ اور اگر وہ اپنے تئیں خلافت کا اہل بھی سمجھتے تھے تو آخر خلافت انہیں بھی مل گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ اب نہ شیعہ صاحبان حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت بلافصل کی مسند پر بٹھا سکتے ہیں نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے خلافت بلافصل کی مسند چھین سکتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب خود نصرتِ اسلام اور نصرتِ مسلمین کے جذبہ کے ماتحت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو شیعہ اصحاب کو اس وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عزت و احترام کو پورے طور پر ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آپ کے اس خطبہ کے مطابق مطاع رہے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اس بیان کے مطابق ان کے خیر خواہ دوست رہے ہیں۔ پس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے برأت کا اظہار کرنے کی بجائے ان کے مطیع، خیر خواہ اور دوست رہے ہیں تو پھر شیعوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا دم بھرنا لیکن ان کا طرزِ عمل اختیار کرنے سے گریز کرنا بلکہ اس طرزِ عمل کے صریح خلاف طرزِ عمل اختیار کرنا دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عقل، رائے، اجتہاد اور تجربہ کی عملی مذمت ہے اور عملاً ان کے ان افعال سے برأت کا اظہار اور ان کی خلافت سے تمسخر کے مترادف ہے۔ اس طرح تو شیعہ اصحاب پر "بازی بازی باریش بابا ہم بازی" کی ضرب المثل صادق آئے گی۔

شیعہ اصحاب کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر زور دینا ان کی اپنی دوسری روایات کے بھی خلاف ہے کیونکہ ایک شیعہ روایت اس بات پر روشن گواہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالےٰ سے بشارت پا کر مخفی طور پر حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا تھا کہ سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ چنانچہ اس حدیث میں وارد ہے:-

قال انّ ابا بکر یلی الخلافۃ
بعدی ثمّ بعدہٗ ابوك فقالت
من انبأك ھٰذا قال نبّأنی
العلیم الخبیر۔ (شیعوں کی
معتبر تفسیر قمی تفسیر سورہ تحریم)

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک ابوبکر میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔ پھر اس کے بعد اے

حفصہ) تمہارا باپ (حضرت عمرؓ) خلیفہ ہوگا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا آپ کو یہ خبر کس نے دی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے جو علیم و خبیر ہے یہ خبر دی ہے۔"

اس آسمانی بشارت سے ظاہر ہے کہ اگر اُمتِ محمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل تسلیم نہ کرتی۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت جو آپ کو خدا تعالیٰ علیم و خبیر کی طرف سے ملی تھی (معاذ اللہ) جھوٹی ٹھہرتی۔ پس شیعہ اصحاب غور فرمائیں کہ اُمتِ محمدیہ نے ناگہانی حالات میں اچانک جو فیصلہ کیا وہ کس طرح خدا تعالیٰ کی اس بشارتِ عظمیٰ کے عین مطابق تھا جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے رکھی تھی۔ اس بشارت کا دوسرا حصہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تعیین کرا کر پورا کرا دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

خدا تعالیٰ کے بھی عجیب کام ہیں کہ اس نے اس بشارت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عام افرادِ اُمت سے مخفی رکھوایا۔ تا یہ انتخاب پر اثر انداز نہ ہو۔ اور پھر اس بشارت کو پورا کرنے کے لئے عرب کے دستور کے مطابق مومنین کے ذریعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کا انتخاب کرا دیا۔ اور سب سے زیادہ خوشکن بات یہ ہے کہ شیعہ اصحاب کی ہدایت کا یہ سامان ان کی اپنی تفسیروں میں آج تک بہت حد تک محفوظ چلا آرہا ہے۔ ایسی پیشگوئی کی موجودگی میں شیعہ اصحاب کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل سے انکار در اصل اللہ تعالیٰ کی اس بشارت اور پیشگوئی سے انکار کے مترادف ہے۔

خلافت ورثہ نہیں

منار الہدیٰ کے مذکورہ بالا خطبہ میں مؤلف منار الہدیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف یہ الفاظ بھی منسوب کئے ہیں کہ:۔

"خلافت میرا ورثہ ہے"

خطبہ کا یہ فقرہ صریح طور پر الحاق معلوم ہوتا ہے۔ غالباً اسی بناء پر شرح نہج البلاغہ کے مصنف ابن ابی الحدید شیعی نے ان الفاظ کو اس خطبہ کا حصہ قرار نہیں دیا۔ مگر مؤلف منار الہدیٰ اس پر معترض ہیں کہ ابن ابی الحدید نے خطبہ کے ان الفاظ کو کیوں تسلیم نہیں کیا۔

مگر ابن ابی الحدید حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے دوسرے اقوال اور خطبات کی روشنی میں جو اصولی طور پر اس فقرہ کے مخالف تھے کس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرف ان الفاظ کو منسوب کرنے کی جرأت کر سکتے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں جو روایت پہنچی اس میں یہ الفاظ ہی موجود نہ ہوں۔

ماسوا اس کے ابن ابی الحدید کے سامنے ایک یہ روایت بھی موجود تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکرؓ کو احق بالخلافۃ (خلافت کا سب سے زیادہ حقدار) سمجھتے تھے۔ چنانچہ شرح نہج البلاغہ میں یہ روایت بالفاظ ذیل درج ہے:۔

"قال عليٌّ والزبير ما غضبنا الا في المشورة وانا لنرى ابا بكر احق الناس بها انه لصاحب الغار وانا لنعلم له

مسنۃ ولقد امرہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یصلی بالناس فی الصلوٰۃ وھو حیٌّ "

کہ حضرت علیؓ اور زبیرؓ نے کہا ہم نے (خلافت کے بارہ میں) مشورہ کا ہی (یعنی مشورہ سے ہونے کے اصل کا ہی) فیصلہ کیا۔ اور یقیناً ہم ابوبکرؓ کو اس کا (خلافت کا) سب سے زیادہ حق دار پاتے ہیں۔ وہ صاحب غار ہیں۔ اور یقیناً ہم ان کے طریقوں سے واقف ہیں اور بے شک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں انہیں لوگوں کی نماز میں امام ہونے کا حکم دیا تھا"

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی آخر یہی فیصلہ کیا کہ خلیفہ کے تقرر میں اصل الاصول مشورہ اور انتخاب ہی ہے۔ اور یہ طے کرنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی خلافت کا سب سے زیادہ حقدار تین وجوہ مذکورہ کی بنا پر قرار دیا۔

پہلی وجہ یہ بتائی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غار میں ساتھی رہے۔ (امام حسن عسکری کی تفسیر میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہوئی تھی کہ ہجرت میں اپنے ساتھ ابوبکرؓ کو لے لیں۔)

دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ ہم ان کی سنتوں یعنی دینداری کے طریقوں اور ایثار وغیرہ سے خوب واقف ہیں۔ اور تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ آپ مرض الموت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہیں لوگوں کا نماز میں امام بننے کا حکم دیا تھا۔ (جو ان کے احق بالخلافۃ ہونے کا ایک قوی قرینہ اور دلیل ہے۔

پس اس روایت کی موجودگی میں "خلافت میرا ورثہ ہے" کے فقرہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اسے الحاقی ماننا پڑتا ہے جو کسی متعصب شیعہ نے اس روایت میں ملا دیا ہے۔

شیعوں کے اس عقیدہ کے لحاظ سے بھی کہ خلافت کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی اس فقرہ کو درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ورثہ اور وصیت دو ایسے امر ہیں جو باہم تضاد رکھتے ہیں۔ حقیقی وارث کے حق میں وصیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ غیر وارث کے حق میں ہی وصیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

حدیثوں میں خلافت ابوبکرؓ کیلئے اشارات

حدیثوں میں ایسے اشارات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاً بعد خلافت کا اہل کون ہے۔ آپ نے اپنی بیماری میں جس میں آپ نے وفات پائی۔ حضرت ابوبکرؓ کو مسجد نبوی میں نماز کی امامت کرانے کا حکم دیا۔ اور مسجد میں کھلنے والی سب کھڑکیاں سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کھڑکی کے بند کرا دیں۔ جو اس بات کے لئے اشارہ تھا۔ کہ آئندہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی امام ہونے کے اہل ہیں نہ کوئی اور۔

علاوہ ازیں ذیل کی روایات بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی اہلیت کے بارہ میں اشارات ہیں۔

(۱) عن علی رضی اللّٰہ عنہ قال کنت عند النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فدخل ابوبکر وعمر

رضی اللہ عنہما فقال یا علی هٰذان سیدا کہول اهل الجنة وشبابها بعد النبیین والمرسلین (مسند احمد بن حنبل جلد اول ص۸۰)

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ اتنے میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی! یہ دونوں نبیوں اور رسولوں کے بعد جنت کے ادھیڑ عمر والوں اور جوانوں کے سردار ہیں۔"

(۲) عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیہ قال اتت امرأة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فامرها ان ترجع الیہ قالت ارأیت ان جئت ولم اجدک کانها تقول الموت قال صلی اللہ علیہ وسلم ان لم تجدینی فاتی ابا بکر۔ (بخاری باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ۲ ص۱۸۱ مصری)

محمد بن جبیر بن مطعم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طالب امداد ہو کر آئی تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ آپ کے پاس پھر آئے وہ کہنے لگی بتائیے تو سہی اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں۔ گویا وہ موت کا ذکر کرتی تھی۔ اس پر آپ نے فرمایا اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس آنا۔

(۳) عن قتادة ان انس بن مالک حدثهم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صعد احدًا وابوبکر وعمر وعثمان فرجف بهم فقال اثبت احد فانما علیک نبی وصدیق وشهیدان

قتادہ سے روایت ہے کہ انس بن مالک نے انہیں حدیث سنائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُحد پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ میں زلزلہ آیا۔ آپ نے فرمایا۔ اُحد ٹھہر جاؤ کیونکہ تجھ پر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں۔"
(صحیح بخاری جلد ۲ ص۱۹۱)

اسی قسم کے واقعہ کی ایک اور روایت خود شیعوں کی کتب میں بھی وارد ہے۔ چنانچہ علامہ طبرسی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

کنا معه علی جبل حراء اذ تحرک الجبل فقال له قر فانه لیس علیک الا نبی وصدیق وشهید۔ (

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ہم (ابوبکر اور میں) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حرا پہاڑ پر تھے کہ پہاڑ میں جنبش پیدا ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے پہاڑ) ٹھہر جا۔ کیونکہ تجھ پر ایک نبی اور ایک صدیق اور ایک شہید کے سوا اور کوئی نہیں۔"

اِن روایتوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق قرار دیا گیا ہے اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو شہید۔ اور قرآن مجید کی آیت انعم اللّٰہ علیھم من النبیّن والصدّیقین والشھدآء والصّٰلحین (سورہ نساء ع ۹) کی ترتیب میں نبی کے بعد صدیق کا درجہ اور صدیق کے بعد شہید کا درجہ اور شہید کے بعد صالح کا درجہ بیان کیا گیا ہے۔ پس اِن دونوں سُنّی شیعہ روایتوں میں نبیوں کے مرتبہ کے بعد صدیق کا مرتبہ رکھنے والے کو افضل قرار دیا گیا ہے بہ نسبت شہید کا درجہ رکھنے والے کے۔ حضرت ابوبکرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صدیق قرار دیا ہے اور حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو شہید۔

(۴) عن محمد بن الحنفیہ قال قلت لابی ایّ الناس خیر بعد رسول اللہ قال ابوبکر قلتُ ثمّ من قال ثمّ عمر وخشیت ان یقول عثمان قلت ثمّ انت قال ما انا الا رجل من المسلمین۔
(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۸۹)

محمد بن الحنفیہؒ کہتے ہیں میں نے اپنے باپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کون آدمی سب سے بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا ابوبکرؓ۔ میں نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا عمرؓ۔ اور میں ڈرا (کہ تیسری دفعہ سوال پر) وہ کہیں جواب میں عثمانؓ نہ کہہ دیں۔ اس لئے خود میں نے کہا۔ پھر آپ ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ میں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں۔" (یہ تو آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا ورنہ آپ بھی بزرگ صحابہ میں سے تھے ناقل)

(۵) عن وھب السوائی قال خطبنا علیٌّ رضی اللہ عنہ فقال من خیر ھٰذہ الامّۃ بعد نبیّھا قلتُ انتَ یا امیر المؤمنین قال لا خیر ھٰذہ الامّۃ بعد نبیّھا ابوبکر ثمّ عمر رضی اللہ عنھما وما نبعد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر رضی اللہ عنہ (مسند احمد حنبل جلد اوّل ص ۱۱۰)

وہب سوائی سے روایت ہے وہب نے کہا (کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں) ہمیں خطبہ دیا (اور ہم سے) پوچھا کہ اس اُمت کا بہترین آدمی اس اُمت کے نبی کے بعد کون ہے؟ وہب کہتے ہیں میں نے کہا اے امیرالمومنین آپ ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ اس اُمت کا بہترین آدمی اِس اُمت کے نبی کے بعد ابوبکر ہے پھر عمر رضی اللہ عنہما۔ اور ہم یہ امر بعید نہیں سمجھتے کہ سکینت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے بولا کرتی تھی۔

(۶) اسی طرح ابی جحیفہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:۔

قال قال علی رضی اللہ عنہ خیر
هذہ الامۃ بعد نبیہا ابوبکر
وبعد ابی بکر عمر رضی اللہ عنہما
ولو شئت لاخبرتکم بالثالث
لفعلت۔ (مسند احمد حنبل جلد اول ص۱۰۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجحیفہؓ
سے کہا کہ اس امت کا بہترین آدمی اس
امت کے نبی کے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما
ہیں۔ اور اگر میں چاہتا کہ تیسرے کا نام
بھی ذکر کروں تو میں ایسا کرتا۔

یہ چھٹی روایت پانچویں روایت کو قوت دیتی ہے
اور اس کے مضمون کی تائید کرتی ہیں۔ یہ دونو روایتیں
اہل السنت کے طریق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے
حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مدارج
کے متعلق مروی ہیں۔ اگر شیعہ اصحاب کہیں کہ ہمیں
اہل سنت کی روایات مسلّم نہیں تو اس کے متعلق عرض ہے
کہ یہ روایات تو شیعوں کے لئے ماننا بہرحال ضروری
ہیں۔ کیونکہ ایک تو یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی
ہیں دوم خود شیعہ طریق سے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ
کی زبان مبارک سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر
رضی اللہ عنہما کی بہت بڑی شان بیان کی گئی ہے۔
چنانچہ شرح نہج البلاغہ میں جو شیعوں کی معتبر کتاب
ہے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شان
میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانِ مبارک سے وارد
ہے:۔

وکان افضلهم فی الاسلام
کما زعمت وانصحهم للہ و
رسولہ الخلیفۃ الصدیق و
خلیفۃ الفاروق ولعمری ان
مقامهما فی الاسلام لعظیم
وان المصاب بهما لجرح
فی الاسلام شدید فرحمهما
اللہ وجزاهما باحسن ما
عملا۔

جیسا تو نے (اے مخاطب خیال کیا
ہے) اسلام میں سب سے افضل اور
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے سب سے
زیادہ خیر خواہ خلیفہ صدیق اور خلیفہ
فاروق ہیں۔ اور مجھے اپنی عمر کی قسم
ہے کہ بے شک ان دونو (ابوبکرؓ اور
عمرؓ) کا مرتبہ اسلام میں البتہ بہت ہی
بڑا ہے۔ اور بے شک ان دونو کی
وفات سے اسلام کو شدید نقصان
پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونو پر رحم
کرے اور ان دونو کو ان کے عملوں
کا بہتر سے بہتر بدلہ دے۔"
(شرح نہج البلاغہ جلد ۴ ص۲۱۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ظاہر
ہے کہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قائل تھے اور ان ہردو
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے زمانۂ
خلافت میں نہایت بلند مرتبت شخصیتیں یقین کرتے
تھے اور ان دونو کی وفات کو مسلمانوں کیلئے ایک
سخت دینی اور قومی صدمہ سمجھتے تھے۔ ماسوا اسکے
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی عمر کی قسم کھاکر
اپنے زمانۂ حیات کو اپنے اس بیان پر گواہ ٹھہرایا
ہے۔ یعنی یہ بتایا ہے کہ میرے زمانۂ حیات کو دیکھو
جو گواہ ہے کہ میں ان کا تابع اور خیر خواہ رہا ہوں۔

میں نے ان کے خلاف کبھی بغاوت نہیں کی بلکہ اہم امور میں ہمیشہ مشورہ دیتا رہا ہوں اور ان کا خیرخواہ رہا ہوں۔ پس میری زندگی کا ان سے جو طرز عمل رہا ہے وہ گواہ ہے کہ میرے نزدیک ان دونو کا مرتبہ اسلام میں بہت ہی بڑا ہے۔ پس اس حلفیہ بیان سے ظاہر ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے قائل تھے اور انہیں غاصب خلافت خیال نہیں کرتے تھے۔ لہذا آجکل کے شیعوں کا یہ خیال کہ یہ دونو غاصب خلافت تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس بیان کے صریح خلاف ہے۔

حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے بغاوت کیوں نہ کی؟

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی یہ شان بیان کرنا اس بات کا قطعی اور حتمی ثبوت ہے کہ وہ ان دونو کی خلافت کے قائل تھے۔ یہی امر منار الہدیٰ کے خطبہ سے اس سے قبل ثابت کیا جا چکا ہے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رض کو خلافت کا حقدار نہ سمجھتے تو ضرور ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے۔ جیسا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کی بیعت نہ کی اور اس سے جہاد کرکے اپنی جان تک قربان کردی۔ مگر باطل کے سامنے دبنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ جس شیر خدا کا بیٹا ایسا شیر نر ثابت ہوا وہ باپ کس شان کا جری ہو سکتا ہے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ مقرر ہوگئے تو ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے لئے اکسانا چاہا۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو جو جواب دیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دامن کو خلافت کے طمع سے بالکل پاک ثابت کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے۔ چنانچہ شرح نہج البلاغہ میں ابن ابی الحدید شیعی ایک روایت لائے ہیں:-

روی محمد بن عبد العزیز
قال جاء ابو سفیان الیٰ علیؑ
فقال غلبکم علیٰ ھٰذا الامر
اذل بیت فی قریش اما واللہ
ان شئت لاملأنھا علیٰ
ابی فصیل خیلاً و رجلاً
فقال [illegible] طالما غششت
الاسلام و اھلہ فما ضررتھم
شیئًا لا حاجۃ لنا الیٰ خیلک
و رجلک لولا انا رأینا ابابکر
لھا اھلاً لما ترکناہُ۔

(شرح نہج البلاغہ جلد اوّل صفحہ ۱۳۲)

محمد بن عبد العزیز سے روایت ہے کہ ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ اس امر (خلافت) میں تم پر قریش کا ایک ذلیل ترین گھرانہ غالب آگیا ہے۔ خدا کی قسم اگر آپ چاہیں تو میں ابی فصیل (یہ حضرت ابوبکرؓ کی پرانی کنیت تھی۔ ناقل) کے خلاف اس کے گھر کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو جواب دیا کہ ایک لمبے عرصہ تک تو نے اسلام اور مسلمانوں کو

دھوکا دیا ہے اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکا۔ ہمیں تمہارے سواروں اور پیادوں کی کوئی حاجت نہیں۔ اگر ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امر (خلافت) کا اہل نہ پایا ہوتا تو ہم اسے اسکے موجودہ حال پر نہ رہنے دیتے۔ یعنی اس کا خوب مقابلہ کرتے۔"

حضرت علیؓ کس طرح چوتھے خلیفہ بنے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دامن خلافت کے متعلق حرص و طمع سے ہمیشہ پاک رہا ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے پر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں نے خلیفہ مقرر کرنا چاہا اور ان پر زور دیا کہ وہ بیعت لینے کے لئے ہاتھ بڑھائیں تو ان کا اسوقت کا بیان بھی اس بات کا قوی ثبوت ہے کہ انہیں خلافت کی کوئی طمع نہ تھی بلکہ وہ مسلمانوں کا امیر بننے کی بجائے وزیر بننے کو ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ اس موقعہ پر آپ فرماتے ہیں:-

دعونی والتمسوا غیری فانا مستقبلون امراً لہٗ وجوہٌ والوانٌ لا تقوم لہٗ القلوب ولا تثبت علیہ العقول وان الآفاق قد اغامت والمحجۃ قد تنکرت واعلموا ان اجبتکم رکبت بکم ما اعلم ولم اصغ الیٰ قول القائل وعتب العاتب وان ترکتمونی وانا کاحدکم ولعلی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموہ امرکم فانا لکم وزیراً خیراً لکم منی امیراً (نہج البلاغہ صفحہ ۵۹ مطبوعہ طہران)

کہ مجھے چھوڑ دو اور (خلافت کے لئے) میرے سوا کوئی اور آدمی تلاش کرو۔ کیونکہ ہمیں ایسے امور پیش آنے والے ہیں جن کے مختلف پہلو اور رنگ ہونگے جن کے مقابلہ میں نہ دل قائم رہ سکیں گے نہ عقلیں ثابت رہ سکیں گی۔ زمانہ پر ایک (ظلمتوں کا) بادل چھایا ہوا ہے۔ اور (مشکلات سے نکلنے کی) راہ مشتبہ ہو گئی ہے۔ یہ جان لو کہ اگر میں تمہاری بات قبول کر لوں (یعنی تمہارا خلیفہ ہونا قبول کر لوں) تو میں تمہیں ایسی باتیں اختیار کرنے کے لئے کہوں گا جنہیں میں درست سمجھتا ہوں۔ اس وقت میں کسی کی بات پر کان نہیں دھروں گا۔ اور نہ کسی کی ناراضگی کی پرواہ کروں گا۔ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہاری طرح ایک فرد امت ہوں اور شاید میں تم سے بڑھکر اس شخص کی اطاعت کروں اور اس کی باتیں مانوں جس کو تم اپنے امور کا والی بناؤ **اور میرا تمہارے لئے وزیر ہونا تمہارا امیر ہونے سے بہتر ہے۔"**

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ بے لوث اور آپ کو حرص و طمع سے خالی ثابت کرنے والا بیان از حد قابل تعریف اور آپ کی دانائی، اصابت رائے اور حق گوئی کا ایک واضح اور روشن ثبوت ہے۔ اگر

آپ کا یہ دعویٰ ہوتا کہ میں سب لوگوں سے بڑھ کر خلافت کا اہل ہوں۔ یا یہ کہ میرے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کی وصیت کی ہوئی ہے۔ یا یہ کہ میں خلافت میں آپ کا بطور وارث حقدار ہوں تو آپ یہ کبھی نہ فرماتے کہ کوئی اور آدمی تلاش کر لو اور مجھے چھوڑ دو۔ اور وہ شخص جس کو تم والی مقرر کرو گے میں تم سے بڑھ اس کی اطاعت کروں گا اور میرے لئے تمہارا وزیر ہونا تمہارا امیر ہونے سے بہتر ہے۔ اگر آپ اپنے تئیں خلافت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی یا وارث یا دوسروں سے اپنے تئیں زیادہ حقدار سمجھتے تو اس وقت مسلمانوں کو کبھی یہ مشورہ نہ دیتے کہ تمہارے لئے میرا وزیر ہونا امیر ہونے سے بہتر ہے۔ بلکہ وہ فوراً بیعت لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے اور یہ اعلان کرتے کہ آخر حق بحقدار رسید۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت بلا فصل کی وصیت کی ہوتی تو ایسی وصیت کی موجودگی میں وہ کس طرح اس وصیت نبویؐ کے خلاف مسلمانوں کا وزیر بننے کو امیر بننے پر ترجیح دے سکتے تھے۔ اس صورت میں تو آپ کا یہ فقرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی صریح ناقدردانی اور ہتک کا موجب ہے جس کے مرتکب حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہو سکتے۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک بیان بھی جو آپ نے خلیفہ ہو جانے کے بعد دیا اس سلسلہ میں نہایت قابلِ قدر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

واللہ ما کانت لی فی الخلافۃ
رغبۃ ولا فی الولایۃ اربۃ
ولکنکم دعوتمونی الیہا و
حملتمونی علیہا (نہج البلاغہ صفحہ ۱۶۹)

خدا کی قسم! مجھے خلافت کی کوئی رغبت نہ تھی اور نہ ولایت کی کوئی حاجت تھی۔ لیکن تم لوگوں نے مجھے اس کی دعوت دی اور اس ذمہ داری کا بوجھ میرے سپرد کر دیا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خدا کی قسم کھا کر یہ بے لوث بیان دینا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ آپ نے اپنے دل کی بات کہی ہے۔ اب اگر آپ کو یہ علم ہوتا کہ میرے متعلق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت بلافصل کی وصیت کی ہوئی ہے تو آپ کبھی خلافت و ولایت سے ایسی بے رغبتی کا بیان نہ دیتے۔ کیونکہ ایسا کرنا وصیت کی ناقدردانی ہوتا جس کے آپ مرتکب نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ کے اس بیان کو جو آپ نے دیا ہے تقیہ پر بھی محمول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ آپ نے یہ بیان قسم کھا کر دیا ہے۔ اور یہ بیان ذوالوجوہ بھی نہیں کہ اسے کوئی اور معنے بھی دیئے جا سکتے ہوں۔ اس وقت تقیہ کی آپ کو کوئی حاجت بھی نہ تھی کیونکہ آپ کو کسی قسم کا ڈر نہ تھا۔ بلکہ اس وقت تو لوگ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ آپ کو خلافت سپرد کر چکے تھے اور آپ کے سوا کسی اور شخص کو خلیفہ تسلیم کرنے پر راضی نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ جس رنگ میں اور جس ذوق و شوق سے آپ کی بیعت ہوئی اس کا نقشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود یوں کھینچتے ہیں:۔

بسطتم یدی فکففتہا و
مددتموہا فقبضتہا ثم
تداککتم علیّ تداک الابل
الہیم علی حیاضہا یوم
ورودہا حتی انقطعت النعل
وسقطت الرداء ووطئ الضعیف
وبلغ من سرور الناس ببیعتہم

ایای ان ابتھج بھا الصغیر وھدج الیھا الکبیر وتحامل نحوھا العلیل وحسرت الیھا الکعاب۔ (نہج البلاغہ ص۱۸۳)

کہ تم نے میرا ہاتھ (بیعت کے لئے) پھیلایا تو مَیں نے اسے روک لیا۔ تم نے اسے لمبا کیا تو مَیں نے اسے پیچھے کر دیا۔ پھر تم مجھ پر (بیعت کے لئے) اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح پیاسے اونٹ حوضوں پر وارد ہونے کے دن ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ جوتے (تسمے) ٹوٹ گئے اور چادریں گر گئیں اور کمزور پامال کئے گئے۔ اور میری بیعت کے لئے لوگوں کی خوشی اس حد تک بڑھ گئی کہ چھوٹے بھی اس پر خوش تھے اور بڑی عمر کے لڑکھڑاتے (بیعت کے لئے) چلے آرہے تھے اور بیمار بھی دوسروں کے سہارے وہاں پہنچے اور ایسی بھیڑ ہوئی کہ تختہ ٹکراتا تھا۔"

پس جب لوگوں کے آپ کی بیعت کے لئے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہوجانے کے بعد ان کے اس قسمیہ بیان کو تقیہ پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسے زمانہ میں بھی آپ تقیہ کے لئے مجبور تھے تو پھر دین ظاہر کرنے کا موقعہ آپ کو کب میسر آ سکتا تھا؟

بات دراصل یہ ہے کہ تقیہ سے متعلق روایات تو دراصل ہماری تحقیق میں ائمہ اہل بیت پر افترا ہیں اور یہ سب بعد کی ساختہ روایات ہیں ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا عمل دونو تقیہ کے صریح خلاف ہیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا عمل تو تقیہ کے خلاف آفتاب نصف النہار کی طرح چمک رہا ہے۔ اور اس پر کوئی گرد نہیں ڈالی جا سکتی۔ کیونکہ آپ نے یزید کی حکومت کے خلاف خروج کیا اور اپنی جان دیدی مگر تقیہ پر عمل نہ کیا۔ اگر تقیہ آپ کے نزدیک دین ہوتا تو وہ اپنی جان کو اس طرح خطرہ میں نہ ڈالتے اور یزید کی بیعت کر لیتے تا دین بھی قائم رہے اور جان بھی بچ جائے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں:-

"لا ینفع عبداً وان اجھد نفسہ واخلص فعلہ ان یخرج من الدنیا لاقیاً ربہ لخصلۃ من ھذہ الخصال لم یتب عنھا ان یشرک باللہ فیما افترض علیہ من عبادتہ او یشفی غیظہ بھلاک نفسہ او یقرّ بامر فعلہ غیرہ او یستنجح حاجۃ الی الناس باظھار بدعۃ فی دینہ او یلقی الناس بوجھین او یمشی فیھم بلسانین۔ (نہج البلاغہ ص۱۱۱)

ترجمہ:- ایک مجاہد اور مخلص بندے کو یہ بات نفع نہیں دے سکتی کہ جب وہ دنیا کو چھوڑ کر اپنے رب کو ملنے جائے تو اس میں ان خصلتوں میں سے کوئی خصلت موجود

ہو جن سے اس نے توبہ نہ کی ہو۔ (۱) فرض عبادت میں شرک باللہ کیا۔ (۲) غصے سے اپنے تئیں ہلاک کر دیا ہو۔ (۳) غیر کے فعل کا اقرار کر لیا ہو۔ (۴) یا دین میں بدعت کے ذریعہ لوگوں کی حاجت روائی کی ہو۔ (۵) یا لوگوں کو دو چہروں کے ساتھ ملا ہو اور ان میں دو زبانوں کے ساتھ معاملہ کیا ہو۔"

پانچویں بات تقیہ کے رد میں فرمائی گئی ہے۔ جس میں انسان کو دو چہروں کے ساتھ ملنا پڑتا ہے اور دو زبانوں سے دوسروں سے معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ آخر تقیہ یہی ہے کہ ایک عقیدہ یا بات کا کسی خوف کے ماتحت دوسرے کے سامنے انکار کیا جائے اور صرف علیحدگی میں اپنے ہم خیالوں کے سامنے اس کا اعتراف کیا جائے۔ یا مصلحت وقتی کے پیش نظر دوسرے کو ایک غلط جواب دیدیا جائے حالانکہ اپنا نفس جانتا ہو کہ میں اس شخص سے غلط بیانی کر رہا ہوں۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو یہ بیان قسم کھا کر دیا ہے اسے ایسے وقت تقیہ پر محمول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جبکہ آپ خود خلیفہ ہو کر یہ بیان دے رہے تھے۔ اس کے تو یہ معنے ہوں گے کہ معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں کچھ اور تھا اور زبان سے بلا وجہ اس کے خلاف بیان دے رہے تھے۔ ہمارا ایمان و اعتقاد تو ان کے متعلق یہی ہے کہ وہ اپنی اس پانچویں نصیحت پر ہمیشہ اپنی زندگی میں عامل رہے ہیں۔ اور انہوں نے کبھی پہلی خلافتوں میں بھی ایسا معاملہ نہیں کیا کہ ان کے دل میں کچھ اور ہو اور منہ سے انہوں نے اپنے دل کے خلاف بات کا اظہار کیا ہو۔ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ وہ دو چہرے اور دو زبانیں رکھنے والے انسان نہ تھے ایسا خیال ان کے متعلق رکھنا ان کی صریح ہتک کے مترادف ہے۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ تمام بیانات اور اقوال جو اس مضمون میں درج کئے گئے ہیں ان کو تقیہ پر محمول کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صریح ہتک ہے اور انہیں ذو وجہین اور دو زبانوں سے معاملہ کرنے والے قرار دینے کے مترادف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسے معاملہ سے توبہ نہ کرے اور اس خصلت کو نہ چھوڑے اس کا اخلاص اور اس کے مجاہدات بھی خدا تعالیٰ کی ملاقات کے وقت اسے کوئی نفع نہیں دے سکتے۔ تو خود ناصح بن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے جانباز اور مخلص دیندار صحابی کس طرح مصلحت کی خاطر قسم کھا کر غلط بیانی کے لئے تیار ہو سکتے تھے۔

بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اے خدا جس نے یہ مضمون شیعہ احباب کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبہ کے ماتحت لکھا ہے تو انہیں خالی الذہن ہو کر ایک محقق اور غیر متعصب انسان کی طرح ٹھنڈے دل سے اسے پڑھنے کی توفیق عطا فرما دے۔ اللّٰھم آمین۔ و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

خلافت

(از جناب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب منگلا مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ)

خلافت باعثِ تخلیقِ انساں — خلافت مظہرِ اسرارِ پنہاں
خلافت سِرِّ تکوینِ دو عالم — خلافت مُہرِ داؤد و سلیمانؑ
خلافت وحدتِ اعضاءِ ملت — خلافت جامعِ قلبِ پریشاں
خلافت زینتِ محراب و منبر — خلافت آلۂ تقدیرِ رحماں
خلافت کاسرِ کسریٰ و قیصر — خلافت قاطعِ گردن فرازاں
خلافت جامعِ اجزائے قرآں — خلافت کاشفِ اسرارِ فرقاں
خلافت مُرتجائے عاجزاں را — خلافت دستگیرِ زیردستاں
خلافت ملجأ ہر بیوہ و پیر — خلافت مأمنِ ژولیدہ حالاں
خلافت معہدِ رشد و ہدایت — خلافت مکتبِ تہذیبِ انساں
خلافت موردِ الہامِ یزداں — خلافت آتشِ سوزانِ شیطاں
خلافت مرکبِ ہر سالکِ راہ — خلافت بادبرخناسِ طبعاں
خلافت حاملِ نورِ نبوت — خلافت قدرتِ ثانیٔ رحماں
خلافت مجمعِ اخیارِ ملت — خلافت مُہرِ استخلافِ یزداں
خلافت تابعش مردِ مسلماں — خلافت منکرش مردودِ دوراں
خلافت صاعقہ بر راسِ شیطاں — خلافت زلزلہ بر کفر و عصیاں
خلافت حاملِ نورِ نبوت — خلافت زینۂ ایمان و عرفاں

خلافت باردارِ نورِ محمود
بردائے میرزا بردوشِ محمود

اَلا اے منکرِ شانِ خلافت — ہم از نورِ نمایانِ خلافت
کرامت گرچہ بے نام و نشان است — بیا بنگر ز غلمانِ خلافت
کجا نیند منکرینِ آلِ احمدؐ — کہ تا بینند اعوانِ خلافت
ممزّق گشت تار و پودِ ایشاں — ولے تازہ گلستانِ خلافت

صدائے احمدی پائندہ باد
خلافت تا قیامت زندہ باد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات

(از قلم مکرم جناب شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی)

یہ اسلام کے اس عظیم الشان فرزند کے نصیحت آمیز اور سبق آموز حالات ہیں جو سب سے پہلے اسلام لایا اور جس نے اسلام لانے کے بعد اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کر دیا۔ جو بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب سے زیادہ مخلص خادم تھا۔ جس نے اسلام کی نصرت و اعانت اور امداد و حمایت میں کوشش و ہمت کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ جو ختم المرسلین اور خاتم النبیینؐ کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ مضبوط جانشین تھا۔ جس نے جسمانی لحاظ سے ضعیف اور کمزور ہونے کے باوجود حیرت انگیز استقلال اور جوانمردانہ عزم کے ساتھ اسلام کی اس وقت پشتیبانی کی جب پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد اسلام کی کشتی منجدھار میں تھی۔ اور مرکزِ اسلام کو چاروں طرف سے دشمنانِ اسلام کی فوجوں نے گھیر رکھا تھا یہ اسی مردِ مومن کے حالات ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب سے زیادہ عزیز اور سب سے زیادہ محبوب تھا۔ یہی وہ عظیم الشان شخصیت تھی جس کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین دن تنگ و تاریک غار میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اسی موقع پر حضورؐ نے ان کو "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" کا مژدہ سنایا تھا۔ یہی وہ بے نظیر بہادر تھا جس کو اشجع العربؐ نے وقتِ ہجرت اپنا ہمسفر بنانے کی سعادت بخشی۔ یہ وہی نہایت متقی و پرہیزگار شخص تھا جسے آقائے دوجہاں نے مرض الموت میں اپنی بجائے نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ یہ اسی صدیقہ اور طاہرہ خاتون کا باپ تھا جسے خیر البشرؐ اور افضل الرسلؐ کی سب سے چہیتی بیوی اور رفیقِ زندگی ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ یہی وہ محترم انسان تھا جس کے متعلق حضور رحمۃ للعالمینؐ نے ارشاد فرمایا تھا۔ لو کنتُ متخذاً من العباد خلیلاً لاتخذتُ ابابکرٍ خلیلاً۔

حضرت ابوبکرؓ قریش کے ایک معزز قبیلہ بنی تیم سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کا سلسلۂ نسب چھ سات پشت کے بعد مرہ بن کعب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ سے مل جاتا ہے۔ آپ کے والد کا نام عثمان بن عامر اور کنیت ابو قحافہ تھی۔

آپ کی والدہ کا نام سلمیٰ بنت صخر اور کنیت ام الخیر تھی۔

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال تین ماہ چھوٹے تھے۔ آنحضورؐ کی ولادت ۲۰ راپریل ۵۷۱ء کو ہوئی تھی۔ اس حساب سے آپ کی پیدائش ماہ جون ۵۷۳ء میں مکہ میں ہوئی۔

آپ کے پیدا ہونے کے وقت اگرچہ تمام قوم اور تمام ملک اصنام پرستی میں مبتلا تھا مگر عرب کے بت پرست کعبہ کو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا نہایت مقدس اور محترم سمجھتے تھے اور اس کا تقدس کے احترام میں کعبہ کے اندر اپنے تین سو ساٹھ

معبودوں کو رکھ چھوڑا تھا۔

آپ کے والدین نے اسی کعبے کی تقدیس کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بیٹے کا نام "عبدالکعبہ" رکھا مگر چونکہ یہ مشرکانہ نام تھا اسلئے جب آپ مسلمان ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ حضور علیہ السلام کی عادت تھی کہ مسلمان ہو جانے کے بعد لوگوں کے وہی نام باقی رہنے دیتے تھے جو اُن کے ماں باپ نے رکھے ہوتے تھے مگر جو نام مشرکانہ ہوتا تھا اُسے بدل کر دوسرا نام رکھ دیتے تھے۔

آپ کی کنیت ابوبکر تھی۔ بکر کے معنی ہیں جوان اونٹ۔ چونکہ آپ کو اونٹوں کی خرید و فروخت اور اُن کی پرورش و دیکھ بھال سے بڑی دلچسپی تھی لہذا اونٹوں سے اس تعلق کے سبب آپ کو لوگ ابوبکر کہنے لگے۔ جیسے حضرت عمیر بلیوں سے محبت کے باعث ابوہریرہ کہلانے لگے۔ جو لوگ حضرت صدیق[م] کی کنیت کی نسبت ان کی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف کرتے ہیں وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ لفظ بِکرٌ (کنواری) ہے۔ بَکرٌ نہیں۔ مشہور مصری فاضل محمد حسین ہیکل اپنی قابلِ قدر تالیف "الصدیق ابوبکر" میں آپ کی اس کنیت کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھتا ہے کہ انہ بکر الی الاسلام قبل غیرہ۔ یعنی آپ کی یہ کنیت اس سے پڑی کہ آپ سب سے پہلے ایمان لائے۔

آپ کا لقب صدیق[1] و عتیق[2] تھا۔ صدیق: صدق کو بلا تامل فوراً قبول کرنے والا۔ عتیق: حسین و خوبصورت اور جوانمرد و بہادر۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم میں "ثانی اثنین"[3] کے خطاب سے یاد فرمایا ہے۔ اُردو دنیا میں "یارِ غار"[4] آپ کا مشہور لقب ہے۔ اور یہ لفظ ہماری زبان میں بطور محاورہ نہایت مخلص بے ریا اور سچے دوست کے لئے بولا جاتا ہے۔

اسلام لانے سے قبل آپ ساری قوم میں نہایت عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے اور تمام اہلِ مکہ آپ کو نہایت راستباز اور دیانتدار سمجھتے تھے۔ آپ بڑے عقلمند و فہیم اور نہایت حلیم و بردبار تھے رحم و شفقت اور ملنساری و مروت آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اس وقت جبکہ عرب میں شراب پانی کی طرح پی جاتی تھی آپ اس اُم الخبائث سے بکلی متنفر رہے اور ساری عمر شراب کا ایک قطرہ بھی نہیں چکھا۔ غرباء کی امداد۔ مساکین کی اعانت۔ بیواؤں کی ہمدردی۔ یتیموں کی دلدہی۔ عزیزوں سے سلوک اور مسافروں کی خدمت آپ کے مخصوص اوصاف تھے۔

قریش کے تمام قبائل کے آباؤ اجداد اور عرب کے مختلف خاندانوں میں حسب نسب کے اعتبار سے آپ تمام مکہ میں بڑے عالم اور ماہر مانے جاتے تھے۔ پھر

---

[1] "الصدیق" کے نام سے حافظ عبدالرحمن امرتسری، سیماب اکبر آبادی اور مولوی محمود خان پروفیسر حنفیہ کالج نے آپ کی سوانح عمریاں لکھی ہیں۔ [2] "العتیق" کے نام کر مولوی عبدالحفیظ نے آپکے حالات علیگڑھ سے عرصہ ہوا شائع کئے تھے۔ [3] ثانی اثنین کے نام سے مولوی عبدالحلیم شرر نے آپ کے سوانح حیات قلمبند کئے ہیں۔ [4] "یارِ غار" کے نام سے عرصہ ہوا مولوی محمد ظفر ایم۔ اے نے آپ کے واقعات و حالات شائع فرمائے تھے۔

باوجود قوم کا ایک معزز اور ذی وقار فرد ہونے کے لکھنا پڑھنا بھی اچھی طرح جانتے تھے (اس دورِ جاہلیت میں نوشت و خواند کا فن شرفاء کے لئے باعثِ ننگ سمجھا جاتا تھا)

آپ کی معاش کا ذریعہ کپڑے کی تجارت تھا۔ اس تجارت میں آپ نے بڑا روپیہ کمایا۔ جس وقت دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے تو چالیس ہزار دینار پاس تھے جو آپ نے سارے کے سارے خدا کے راستے میں خرچ کر دیئے۔

قبل از اسلام کی ایک خصوصیت صدیق اکبرؓ میں یہ تھی کہ آپ کے تعلقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت دوستانہ اور مخلصانہ تھے اور بچپن کا یہ تعلق اتنا مستحکم اور استوار تھا کہ مرنے کے بعد بھی نہ چھوٹا۔ جب خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعتِ نبوت سے سرفراز فرمایا تو مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ ہی ایمان لائے۔ عورتوں میں یہ فخر حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہوا۔ لڑکوں میں سے یہ سعادت حضرت علیؓ کے حصہ میں آئی اور غلاموں میں سے حضرت زیدؓ سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔

اسلام لانے کے بعد حضرت صدیقؓ نے اپنے آپکو اسلام کی خدمت کے لئے بالکل وقف کر دیا۔ وہ ہر موقع پر اور ہر جگہ اپنے پیارے آقا کے ساتھ رہے۔ اور وہ تمام مصیبتیں بھی انہوں نے بڑے صبر کے ساتھ برداشت کیں جو اسلام قبول کرنے کے نتیجہ میں کفارِ مکہ مسلمانوں کو پہنچاتے تھے۔ اس وقت سب سے زیادہ مصیبت اور تکلیف میں وہ غلام تھے جو دولتِ اسلام سے مشرف ہو گئے تھے مگر کافر آقاؤں کے قبضے میں تھے اور وہ اُن کو سخت سے سخت جسمانی ایذائیں دیتے تھے۔ حضرت صدیقؓ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ایسے بے یار و مددگار غلاموں کو اُن کے آقاؤں سے خرید کر راہِ خدا میں آزاد کر دیتے تھے۔ "مؤذنِ پیغمبر" حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایسے ہی غلاموں میں سے ایک تھے۔

خود حضرت صدیقؓ بھی کفار کے ان ظلموں سے بچے ہوئے نہیں تھے۔ ایک دن بازار میں جا رہے تھے لوگوں نے پکڑ کر اتنا مارا کہ ادھ موا کر دیا۔ رشتہ دار اٹھا کر گھر لے گئے۔ ہوش آتے ہی پوچھا کہ "مجھے جلدی بتاؤ" "رسول اللہؐ کیسے ہیں اور کہاں ہیں؟" والدہ اسی زخمی حالت میں ان کو آنحضرتؐ کے پاس لے گئیں۔ صدیقؓ نے چہرہ انور دیکھا تو اپنی تکلیف کو بھول گئے۔ ماں پر عشق و محبت کے اس مظاہرہ کا بڑا اثر ہوا اور فوراً مسلمان ہو گئیں۔ باپ ابھی تک حالتِ کفر پر قائم تھے۔

سرِ راہ مکان تھا۔ حضرت صدیقؓ ایسے اثر انگیز طریقے سے اور ایسے درد و سوز کے ساتھ آیاتِ قرآن کی تلاوت کرتے کہ راستہ چلتے لوگ کھڑے ہو کر سننے لگتے۔ عورتوں پر خصوصاً زیادہ اثر ہوتا۔ کفار نے روکا کہ یہ کام نہ کیا کرو کہ ہماری عورتیں گمراہ ہوتی ہیں مگر یہ باز نہ آئے۔ لیکن جب تکلیفوں اور مصائب کی انتہا ہو گئی تو حضورؐ سے اجازت لیکر ہجرت کے لئے نکلے۔ شہر کے باہر پہنچے تو اُدھر سے مکہ کا مشہور رئیس ابن الدغنہ آ رہا تھا۔ اس نے پوچھا "کدھر چلے؟"

صدیقؓ نے جواب دیا۔ تمہارے شہر والے مجھے نہیں رہنے دیتے۔ محض اس جرم میں کہ میں نے بتوں کو چھوڑ کر خدا کو کیوں مانا۔

ابن الدغنہ نے کہا۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا کہ

تم جیسا شریف۔ نیک نفس۔ یتیموں کا ہمدرد۔ غریبوں کا مددگار اور اعلیٰ درجہ کا مہمان نواز شخص مکہ سے چلا جائے۔ میں تمہیں پناہ دیتا ہوں۔ کوئی شخص تمہاری طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

یہ کہہ کر وہ حضرت صدیقؓ کو اپنے ساتھ لایا اور اپنی امان کا خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا مگر جلد ہی حضرت صدیقؓ نے اس کی امان واپس کر دی۔ اور آپ پھر بدستور کافروں کے نرغہ میں تھے۔

کافروں کے پیہم مظالم کے باعث بیشتر مسلمان ترکِ وطن کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق حضرت صدیقؓ اور اپنے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ کے ساتھ رہ گئے۔

جب کفار نے یہ دیکھا تو ایک دن فیصلہ کیا کہ تمام قبائل سے ایک ایک بہادر منتخب کیا جائے اور سب تلواریں سونت کر محمدؐ پر ٹوٹ پڑیں تاکہ ہمیشہ کے لئے جھگڑا ختم ہو جائے۔ خدا تعالیٰ نے بروقت آنحضرتؐ کو خبر دے دی اور آنحضرتؐ خود حضرت صدیقؓ کے مکان پر پہنچے اور اُن سے فرمایا کہ میں آج شب کو حکمِ خداوندی کے ماتحت مکہ چھوڑ رہا ہوں۔

نہایت ہی بے تابی کے ساتھ حضرت صدیقؓ نے پوچھا "اور حضور! میرے لئے کیا حکم ہے؟" خدا کے رسولؐ نے فرمایا "تم میرے ساتھ رہو گے۔"

اُس وقت حضرت صدیقؓ کو ایسا معلوم ہوا جیسا اُنہیں دُنیا جہان کی نعمتیں دیدی گئی ہوں۔ اور مارے خوشی کے ان کا چہرہ چمکنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد رات کے اندھیرے میں مکہ سے تین میل دُور حضرت صدیقؓ غارِ ثور کو اپنے آقا کی رہائش کے لئے اپنے ہاتھوں سے صاف کر رہے تھے۔

قیامِ غار کے دوران میں حضرت صدیقؓ نے انتظام کیا تھا کہ اپنی لڑکی حضرت اسماءؓ سے کہا تھا کہ وہ کھانا پکا کر اور سب لوگوں سے چھپ کر رات کے وقت ہمیں دے آیا کرے تاکہ حضورؐ بھوکے نہ رہیں۔ اور اپنے غلام کو حکم دیا تھا کہ وہ سارا دن جنگل میں بکریاں چرانے کے بعد شام کو بکریوں کا ریوڑ غار پر لے آیا کرے تاکہ اُن کا دودھ دوہ کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا جا سکے۔

ذرا غور کرو حضرت صدیقؓ کی محبتِ رسولؐ پر۔ جہاں خطرہ ہو وہاں انسان اپنے آپ کو اس میں مبتلا کرنا منظور کر لیتا ہے مگر اولاد کو اس سے بچانا چاہتا ہے۔ جہاں عزت کا سوال ہو وہاں انسان اپنی جان قربان کر دیتا ہے مگر اولاد کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ جہاں جان دینے کا سوال ہو وہاں انسان خود اپنے آپ کو پیش کر دیتا ہے مگر چاہتا ہے کہ اولاد بچ جائے۔ مگر صدیقِ اعظمؓ نے عشقِ رسولؐ میں نہ اپنی جان کی پرواہ کی نہ اپنی جوان بیٹی کی عزت اور جان کا خیال کیا۔ آج کون ہے جو کسی بڑے سے بڑے مقصد کے لئے بھی اپنی جوان بیٹی کو لق و دق جنگل اور رات کے خوفناک اندھیرے میں تن تنہا پتھروں اور سنگریزوں کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے تین میل آنے اور تین میل جانے کا حکم دے۔ یہ صدیقِ اعظمؓ ہی کا حوصلہ اور جگرہ تھا کہ انہوں نے کسی بھی خطرہ کی پرواہ نہ کی اور ان کی جوان بیٹی گھُپ اندھیرے میں تین راتوں تک تین میل کا ہولناک سفر کر کے کھانا پہنچاتی رہی۔ عشقِ رسولؐ میں کتنا مدہوش تھا باپ جس نے جان بوجھ کر بیٹی کو خطرات کے سمندر میں دھکیل دیا۔ اور کتنی بہادر تھی بیٹی جس نے بغیر ذرہ تامل کے اپنی جان کو سخت خطرہ میں ڈال کر باپ کے حکم کی تعمیل کی۔

تین دن کے بعد یہ مقدس قافلہ غار سے نکل کر مدینہ

روانہ ہوگیا۔ راستے میں ایک گوالا ملا۔ حضرت صدیقؓ نے اس سے اجازت لیکر پہلے برتن کو صاف کیا۔ پھر اپنے ہاتھ اور بکری کے تھن پانی سے دھوئے۔ اس کے بعد برتن کے منہ پر صاف کپڑا لپیٹا اور دودھ دوہ کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے اس سے تھوڑا سا دودھ پیا اور باقی حضرت صدیقؓ کو پلایا۔

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہوئی کہ خدا کا رسولؐ خدا کی عبادت کے لئے ایک مسجد بنائے۔ اس کے لئے زمین خریدی گئی اور اس کی ساری قیمت حضرت صدیقؓ نے اپنے پاس سے ادا کی۔ مسجد بننے لگی تو حضرت صدیقؓ بھی اُس کے مزدوروں میں سے ایک تھے۔ یہ وہی مقدس ترین مسجد ہے جس میں پورے چودہ سو برس سے لاکھوں کروڑوں مسلمان خدا تعالیٰ کے حضور میں اپنی پیشانیاں سجدہ کے لئے جھکا چکے ہیں۔ اور قیامت تک جھکاتے رہیں گے۔ اور یہ وہی جگہ ہے جہاں خدا کا آخری رسولؐ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے ساتھ ابدی نیند سو رہا ہے۔

مکی زندگی کی طرح مدینہ میں بھی یہ عاشقِ صادق سایہ کی طرح ہر وقت اپنے محبوبؐ کے ساتھ رہا۔ کوئی موقع اور کوئی جنگ ایسی نہ ہوئی جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرکت فرمائی ہو اور حضرت صدیقؓ اس میں شامل نہ ہوئے ہوں۔ اور نہایت جوانمردی، نہایت بہادری اور پامردی کے ساتھ اپنے مقدس آقا کی خدمت اور حفاظت نہ کی ہو۔ جنگ بدر میں حضورؐ کے لئے نہایت محبت سے قلبِ لشکر میں ایک سائبان تیار کیا اور اس کے ساتھ ایک تیز رفتار اونٹنی باندھ دی۔ اور عرض کی کہ حضورؐ سائبان میں چل کر تشریف رکھیں تاکہ گرمی اور تپش آفتاب سے امن میں رہیں۔ حضورؐ نے پوچھا۔ یہ اونٹنی یہاں کیوں باندھی ہے؟ انتہائی عقیدت کے ساتھ صدیقؓ نے جواب دیا حضورؐ اس لئے کہ ہم تین سو تیرہ نہتے آدمی ہیں اور کفار ایک ہزار مسلح جوان۔ اگر خدانخواستہ حالات دگرگوں دکھائی دیئے اور ہم جاں نثار آپ پر فدا ہو جائیں تو حضورؐ اس اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ تشریف لے جائیں جہاں کے لوگ آپ کی پوری حفاظت کریں گے اور آپ کو دشمنوں کے نرغے سے بچائیں گے۔

اسی طرح جنگ اُحد۔ غزوہ بنی مصطلق۔ جنگ احزاب۔ صلح حدیبیہ۔ غزوہ خیبر۔ فتح مکہ۔ غزوہ حنین و طائف اور جنگ تبوک سب میں حضرت صدیقؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور جان اور مال سے ہر ممکن خدمت کرتے رہے۔ ان کے ایثار اور ان کے خلوص کو دیکھ کر صحابہؓ کو اُن پر رشک آتا تھا اور وہ کوشش کرتے تھے کہ حضرت صدیقؓ سے خدمت اسلام میں بڑھ جائیں لیکن کوئی صحابی بھی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ایک موقع پر جنگ کے لئے چندہ کی تحریک حضور علیہ السلام نے کی۔ عمرؓ سوچنے لگے کہ اس موقع پر تو میں ضرور ابوبکرؓ کو شکست دے دوں گا۔ کیونکہ اُن کے پاس اُس وقت اتفاق سے کافی مال تھا۔ بھاگے بھاگے گھر گئے اور آدھا مال لا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ مگر پیچھے پھر کر دیکھا تو صدیقؓ اپنے گھر کا سارا اثاثہ لئے کھڑے تھے۔ فاروق اعظمؓ یہ ایثار دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اپنی ہار مان لی اور پھر کبھی مقابلہ کا خیال نہ کیا۔

اب وہ وقت آیا کہ اس سے زیادہ المناک وقت صحابہؓ پر کبھی نہ آیا تھا۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا کام پورا کرنے کے بعد اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے اور صحابہ کی آنکھوں میں دنیا تاریک ہوگئی۔ اُن کو

یقین ہی نہ آتا تھا کہ آفتاب رسالت بھی کبھی غروب ہوسکتا ہے اور حضور علیہ السلام بھی کبھی رحلت فرماسکتے ہیں۔ فاروق اعظم رضؓ کی حالت تو اس صدمہ سے اتنی غیر ہوئی کہ مسجد میں کھڑے ہوکر تلوار کھینچ لی اور کہنے لگے جو کہے گا کہ محمدؐ کا انتقال ہوگیا اس کی گردن تلوار سے اڑا دوں گا۔ صدیق اکبرؓ نے یہ نقشہ دیکھا تو اگرچہ اُن کو خود بھی اپنے پیارے آقا کا کچھ کم صدمہ نہ تھا مگر انتہائی ضبط کے ساتھ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا مَن کان یعبد محمداً فانّ محمداً قد مات ومَن کان یعبد اللہ فانّ اللہ حیّ لا یموت۔ اور اس کے بعد قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

ما محمدٌ الّا رسول قد خلت
من قبله الرسل افان مات
او قُتل انقلبتم علیٰ اعقابکم
ومن ینقلب علیٰ عقبیه فلن
یضرّ اللہ شیئاً و سیجزی
اللہ الشاکرین۔

"محمدؐ صرف ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے (اور بھی) رسول گزر چکے ہیں سو اگر (محمدؐ اپنی موت سے) مرجائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اُلٹے پیروں (کفر کی طرف) لوٹ جاؤ گے۔ اور جو اُلٹے پیروں (کفر کی طرف) لوٹ جائے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور جو لوگ (اسلام کی نعمت کا) شکر کرتے ہیں خدا ان کو عنقریب جزائے خیر دیگا۔"

جس پر نڈھال اور غمگین صحابہ نے سمجھ لیا کہ واقعی حضورؐ وفات پاگئے۔ حضرت عمرؓ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

یہ حضرت صدیقؓ کا اعجاز تھا کہ اُنہوں نے اپنی بر موقع اور برجستہ تقریر سے حضرت عمرؓ کی دماغی حالت کو درست کردیا۔ جو اگر اس المناک صدمہ سے متاثر ہوکر خراب ہوجاتی تو دنیائے اسلام ایک بہت بڑے عظیم الشان انسان کی بے نظیر خدمات سے محروم ہوجاتی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے فوراً بعد سب سے بڑا اور سب سے اہم مسئلہ حضور علیہ السلام کی جانشینی کا تھا۔ تمام مسلمانوں نے متفقہ طور پر حضرت صدیقؓ کو اس ذمہ داری کا اہل قرار دیا۔ اور اس طرح آپ دنیائے اسلام کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ ایک شیعہ بزرگ رائٹ آنریبل سید امیر علی اپنی کتاب تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت ابوبکرؓ اپنی بزرگی اور اپنے اثر کے باعث آنحضرت صلعم کے جانشین منتخب کرلئے گئے۔ آپ کی دانائی اور اعتدال پسندی مسلّم تھی۔ آپ کے انتخاب کو حضرت علیؓ اور آنحضرت صلعم کے خاندان کے افراد نے تسلیم کرلیا۔"

(تاریخ اسلام سید امیر علی ترجمہ باری علیگ صفحہ ۴۲)

خلیفہ ہونے کے فوراً بعد جو خطبہ حضرت صدیقؓ نے مسجد نبوی میں دیا وہ یہ تھا:۔

"لوگو! مجھے خلافت کی خواہش نہیں تھی مگر اب جبکہ تم نے مجھے اپنا سردار بنایا ہے تو تمہیں میری اطاعت کرنی پڑے گی۔ مجھ سے یہ توقع تو فضول ہے کہ میں وہی کام کرسکوں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ اُن پر آسمان کے دروازے

کھلے ہوئے تھے اور دم بدم ان پر تازہ وحی نازل ہوتی رہتی تھی۔ میں ایک معمولی سا شخص ہوں اور تم میں سے کسی سے بہتر نہیں۔ تاہم میں اپنی انتہائی کوشش کروں گا کہ تم پر عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرسکوں۔ اگر مجھے سیدھی راہ پر دیکھو تو میری اطاعت کرو۔ میں غلط راہ اختیار کروں تو مجھے درست کر دو۔ یاد رکھو تم میں کا سب سے کمزور انسان میرے نزدیک طاقتور ہے جب تک میں اس کا حق ظالم سے نہ لے لوں۔ اور تم میں کا سب سے طاقتور شخص میرے نزدیک کمزور ہے جب تک میں مظلوم کو اس کے پنجے سے نہ چھڑا لوں۔"

خلافت پھولوں کی سیج نہیں تھی جس کو صدیق اکبرؓ نے اختیار کیا تھا بلکہ وہ کانٹوں کا بستر تھا جس پر ابوبکرؓ کو مجبوراً لیٹنا پڑا۔ کیونکہ ادھر حضور علیہ السلام کی وفات کی خبر پھیلی اور عرب بھر کے قبائل میں بغاوت اور سرکشی کی آگ بھڑک اٹھی۔ اکثر قبیلے مرتد ہو گئے بعضوں نے زکوٰۃ سے انکار کر دیا اور بعضوں نے نماز سے۔ اور متعدد جھوٹے نبی اس امید پر کھڑے ہو گئے کہ جب محمدؐ کو کامیابی ہو گئی تو ہمیں کیوں نہ ہو گی۔ ہزاروں لوگ لوٹ مار کے لیے اُن کے ساتھ ہو گئے اور ہر طرف جھوٹے نبیوں کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔

باغیوں نے اپنے اپنے علاقوں ہی میں بغاوت پھیلانے پر اکتفا نہ کی بلکہ مجتمع ہو کر مدینہ پر بھی حملہ کر دیا۔ مدینہ سے بارہ بارہ میل تک مرتدین کی فوجیں ہی فوجیں پھیلی پڑی تھیں۔ اور صحابہ پر قیامت کی گھڑی گزر رہی تھی۔ اُن کو نہ اپنی جان بچتی نظر آتی تھی نہ اپنی عزت نہ اپنی عورتوں کی عصمت۔ صدیق اکبرؓ نے اس نہایت ہی صعب اور سخت وقت میں پہاڑ جیسے استقلال اور محیر العقول بہادری کے ساتھ کام لیا۔ ایک طرف مرتدین کا نہایت کامیاب مقابلہ کیا اور ان کو چار و ناچار حضرت صدیقؓ کے آگے ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ دوسری طرف جھوٹے مدعیان نبوت کا بڑی سختی کے ساتھ قلع قمع کیا۔ یہاں تک کہ ایک بھی جھوٹا نبی میدان میں کھڑا نہ رہ سکا۔ اور سب پر مستزاد یہ کہ ایسے ہولناک اور خطرناک وقت میں جبکہ خود دار الخلافہ میں ایک ایک سپاہی کی اشد ترین ضرورت تھی۔ نتائج اور عواقب سے مطلقاً بے پرواہ ہو کر حضرت اسامہؓ کے اُس لشکر کو سرحد شام پر روانہ کر دیا جسے حضور علیہ السلام روانہ کرنے والے تھے مگر حضورؐ کی علالت کے باعث اُسے رُک جانا پڑا تھا۔

یہ آسان کام نہ تھا مگر حضرت صدیقؓ نے کہا کہ ابوقحافہ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں کہ وہ اس لشکر کو روک سکے جسے اس کا آقا روانگی کا حکم دے چکا تھا۔ اگر مجھے یہ یقین ہو کہ بھیڑیے آئیں گے اور مدینے کے لوگوں کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچ لے جائیں گے تب بھی میں اس لشکر کو روانہ کرنے سے باز نہیں آؤں گا۔

لشکر روانہ ہوا اور ۴۰ دن بعد مظفر و منصور واپس آ گیا جس کی وجہ سے تمام عرب میں خلیفۂ اسلام کی بہادری اور مسلمانوں کی طاقت کی دھاک بیٹھ گئی اور اس اولوالعزمی کو دیکھ کر تمام فتنے اندر ہی اندر دب کر رہ گئے۔

بلاشبہ یہ صدیق اکبرؓ ہی کا عزم صمیم اور

بے نظیر استقلال تھا جس نے طرفۃ العین میں تمام فتنوں اور تمام باغیوں اور تمام مرتدین اور تمام مدعیان نبوت کا سر کچل کے رکھ دیا۔ اور اسلام کو گویا نئی زندگی بخشی کون کہہ سکتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کی خاص مصلحت صدیق اکبرؓ کو تخت خلافت پر نہ بٹھاتی تو اسلام کی کشتی منجدھار میں پڑ کر کتنے ہچکولے کھاتی۔

اندرونی فسادات رفع کرنے کے بعد حضرت صدیقؓ اس ہتک اور توہین کا بدلہ لینے کے لئے مستعد ہوئے جو شہنشاہ ایران نے اس وقت کی تھی جب حضور علیہ السلام نے اسے ایک تبلیغی خط لکھا تھا اور اسے اس نے اپنے غرور اور گھمنڈ میں آ کر پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ جسے سن کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح کسریٰ کی شوکت و طاقت کو بھی پارہ پارہ کر کے رکھ دے گا جس طرح اس نے خدا کے رسول کا یہ خط پھاڑا ہے۔

اس کے ملک ایران پر حملے کی ایک فوری وجہ یہ بھی پیدا ہوئی تھی۔ کہ جب عرب کے لوگ بغاوت پر تیار ہو کر اسلامی فوجوں کے مقابلہ پر آئے تو شاہ ایران نے فوجیں بھیج کر ان باغیوں کی مدد کی۔ اور اس طرح اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری۔

اس متکبر اور مغرور شہنشاہ کو ہتک رسولؐ کا مزہ چکھانے اور باغیوں کی مدد کرنے کی سزا دینے کے لئے نائب رسولؐ نے اس بے نظیر بہادر انسان کو مقرر کیا جسے دربار نبوت سے سیف اللہ کا خطاب ملا تھا۔ چنانچہ خالد بن ولید نے سرحد ایران پر حملہ کر کے اکثر شہروں کو فتح کر لیا اور عراق عرب کا تو تمام علاقہ اسلامی قبضہ میں آ گیا۔ یہ دیکھ کر شہنشاہ ایران کے حواس جاتے رہے اور اس نے سوچنا شروع کیا کہ اب کیا کروں مگر تقدیر پلٹ چکی تھی اور آسمان سے فرشتے اس کی تباہی اور بربادی کا شاخسانہ لیکر چل پڑے تھے۔ جو بھی تدبیریں اس نے اسلامی فوجوں کے روکنے کی کی اور جتنی بھی عظیم الشان فوجیں وہ مسلمانوں کے مقابلہ پر لایا تب بھی اسے ذلت آمیز شکست ہوتی اور بالآخر کسریٰ کی سلطنت کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ بدقسمت شہنشاہ ایران نہ سمجھا کہ

جو خدا کا ہے اُسے للکارنا اچھا نہیں

(باقی آئندہ)

القرن الاول . قالت الشيعة ان الامام عليا رضى الله عنه كان وحده جديرا بالخلافة و انما كان ابوبكر و عمر و عثمان رضى الله عنهم سلبوه حقه ظلما وجورا ، وان اهل السنة يقولون بخلافة هؤلاء الخلفاء الاربعة ولكنهم ينزلونهم حيث نزلهم الله وهذا أمر لايرضى به الشيعة فاتسعت شقة الخلاف بين الطائفتين ومن الواضح الجلى ان هذا الخلاف قد أضر بالمسلمين ضررا فادحا وشق عصاهم والقى الوهن فى قلوبهم وجعلهم فرقا واحزابا وكان الخلاف بين الطائفتين حاداً فى الايام الاخيرة فى الباكستان ـ

والعلاج الناجع لهذا الداء العضال الذى استعصى على علماء الامة منذ اجيال عديدة هوالرجوع الى كتاب الله القرآن الذى لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد وذلك لان الروايات قد كثرت واختلفت اختلافاً شديداً و كل حزب بمالديهم فرحون ـ

والقرآن المجيد قد صرح بالعلامات (۱) بان الله عزوجل ينصرهم نصرا عظيما (۲) ويمكن لهم دينهم الذى ارتضى لهم (۳) وليبدلنهم من بعد خوفهم امناً . وهذه العلامات كلها وجدت بكل وضوح فى عهد ابى بكر الصديق وعمر و عثمان رضى الله عنهم فكونهم خلفاء استخلفهم الله بعد النبى صلى الله عليه وسلم واضح كوضوح النهار . و بهذا تقوم الحجة على الشيعة الذين ينكرون خلافة هؤلاء الخلفاء الثلاثة .

هذا والخلافة الدينية تبقى فى الاسلام الى يوم القيامة و هى التى ينصرها الله و يقيمها بنفسه وليس لانسان اوجماعة ان يزعموا انهم هم الناصبون للخلافة وقد اقام الله عزوجل هذه الخلافة الروحية على رأس هذا القرن الرابع عشر فى وجود سيدنا حضرة المسيح الموعود عليه السلام وجعل بعد وفاته فى جماعته سلسلة الخلافة فطوبى لمن ينضم الى هذه الجماعة التى ترفع راية الاسلام فى ربوع العالم كله ويدالله مع الجماعة و الله الموفق و المعين .

اغراض و مقاصد

رسالہ الفرقان کے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں ۔

۱ فضائل اور حقائق قرآن مجید کا اظہار کرنا
۲ قرآن پاک پر غیر مسلموں ' آریوں ' عیسائیوں اور بہائیوں وغیرہم کے اعتراضات کا جواب دینا
۳ مسلمانوں کے غلط خیالات کی تصحیح کرنا
۴ یورپ کے مستشرقین کے غلط نظریات کی تردید کرنا
۵ عربی زبان کو بذریعہ تعلیم پھیلانا اور اس کی اشاعت کرنا

قواعد و قوانین

۱ رسالہ کا حجم بالعموم چالیس صفحات ہو گا
۲ سالانہ چندہ پاکستان اور بھارت کیلئے پانچ روپے مقرر ہیں ۔ دیگر ممالک سے سالانہ چندہ دس شلنگ لیا جاتا ہے قیمت فی کاپی ۸ آنہ
۴ رسالہ کی اشاعت ہر انگریزی مہینہ کی پانچ تاریخ کو ہوتی ہے ۔ رسالہ نہ پہنچنے کی شکایت ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک قابل پذیرائی ہو گی

ضروری اعلان

ربوہ میں رسالہ الفرقان اور مکتبہ کی جملہ مطبوعات ملک جی برادرز گول بازار سے طلب فرماویں منیجر

صرف ٹائٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا